جلد ۱۰۱ | جولائی ۱۹۸۴ء | عدد ۵

ماہنامہ

ترجمان القرآن

موسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

اِدارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ

کا دفتر

اچھرہ سے تبدیل ہو گیا ہے!

کرم فرماؤں سے گذارش ہے کہ دفتر سے ہر قسم کے رابطہ اور خط و کتابت کے لئے مندرجہ ذیل پتہ پر رجوع فرمائیں

اِدارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ

گنج بخش روڈ، دربار مارکیٹ نزد داتا دربار لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۱ | جولائی سنہ ۱۹۸۴ء مطابق شوال سنہ ۱۴۰۴ھ | عدد ۵

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور

فون نمبر ——— ۴۱۰۳۱۶

زر سالانہ تیس روپے ۔ فی پرچہ ۳/ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

اَللّٰهُ اَکْبَرُ!

اَللّٰهُ اَکْبَرُ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ!

قارئین ترجمان القرآن، اس کے اہلِ قلم، اس کے مشتہرین، اس کے ایجنٹوں اور اس کے تمام کارکنانِ ادارہ کو عید مبارک ہو!

اسی کے ساتھ پوری ملتِ اسلامیہ کو، اگرچہ وہ ملکوں ملکوں میں زخم خوردہ اور تشدد کا نشانہ بنی ہوئی ہے اور اس کے رگ و پے سے خون رس رہا ہے، ہم تہِ دل سے اس مبارک دن پر مبارکباد کہتے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ اس دن کی برکتوں سے اسے مصیبتوں سے نجات دلائے۔

یہ عید اصل مبارکباد اُن لوگوں سے کہتی ہے جنہوں نے تکلیف اٹھا کر رمضان کے روزے رکھے، تراویح کی صورت میں قیام اللیل کیا، دورۂ قرآن سے استفادہ کیا، خدا کی راہ میں مال کا انفاق کیا اور تقویٰ کی منزل کے حصول کیلئے اپنی خواہشوں پہ قدغن لگائی اور اپنے نفس کی باگ ڈور قبضے میں لی۔

خدا اپنے ایسے بندوں کو بھی رمضان کی برکتوں سے حصّہ دے جو بیماری یا کسی اور حقیقی شرعی مجبوری کے تحت روزے نہ رکھ سکے یا تراویح نہ ادا کر سکے، مگر اُن کے دلوں میں اس کے لئے نیت و حسرت موجود رہی اور جنہوں نے روزہ نہ رکھنے کے باوجود رمضان کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھا۔

اور آج ہمیں افسوس ہے اُن مسلمانوں پر جنہوں نے قوت و طاقت ہونے کے باوجود روزہ و تراویح کو ترک کیا اور تلاوتِ قرآن اور انفاق فی سبیل اللہ سے محروم رہے۔ جنہوں نے اپنے قلب و ضمیر کو حقیر خواہشوں اور لذتوں کی سواری بنا دیا۔ ایسے ہی لوگ بالعموم ہماری خرابیٔ احوال کے ذمہ دار ہیں اور دنیا میں اسلام کے تقاضوں کے تحت نہ کوئی بڑا کارنامہ انجام دے سکتے ہیں، نہ سچائی، نیکی اور عدل کے لئے ظلم اور بدی کے خلاف کوئی معرکہ لڑ سکتے ہیں۔ خدا کرے کہ وہ پشیمان ہوں اور اپنی کوتاہی کی تلافی کا عزم کر لیں۔

آخر میں دعا ہے کہ ربِ عظیم ہمیں وہ حقیقی عید نصیب فرمائے جبکہ ہماری پوری زندگیوں پر خدا کی حاکمیت کے تحت اسلام کا قانون جاری و ساری ہو اور تہذیبی ماحول عیاشی و فحاشی اور حرام خوری سے پاک ہو جائے۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

قارئین سے گذارش ہے کہ یہ پرچہ جسے جون کے لیے تیار کیا گیا تھا، اسے قصاص و دیت کمیٹی منصورہ کی رپورٹ پہلے شائع کرنے کے لیے مؤخر کیا گیا، مگر اُس وقت رمضان سامنے تھا، اب عید سامنے ہے، نیز مسئلۂ اتحادِ ملت کی اہمیت بڑھ گئی ہے لہذا اشارات اور حکمتِ سید مودودی کو بدلنا پڑا۔

(ادارہ)

غالباً جمال الدینؒ افغانی کا قول ہے کہ "مسلمان ایک چیز پر بالکل متحد ہیں کہ اتحاد نہیں ہونا چاہیے"۔

مگر کیا ہمیں ہمیشہ عدمِ اتحاد پر ہی متحد رہنا چاہیے؟

اس وقت جس دردناک صورتِ حالات سے ہم مسلمان دوچار ہیں، وہ بڑی ہی عبرتناک ہے۔ ہماری ایک مصیبت یہ ہے کہ سپر پاورز نے اپنے پنجے ہمارے قلوب اور دماغوں پر گاڑے ہوئے ہیں کہ وہ برابر ہمارا خون بھی چوس رہے ہیں اور ہمیں اپنی گرفت سے نکلنے بھی نہیں دیتے۔ ایڈ اور اسلحہ اور ڈپلومیٹک چالوں کے ذریعے اُنھوں نے نہ صرف ہمیں جکڑ رکھا ہے بلکہ اس اسیری پر وہ ہم سے تحسین و سپاس کے قصیدے بھی سُننے کے عادی ہیں۔ اُنھوں نے عالمِ اسلام کے تیل کے چشموں پر قابو پا رکھا ہے، اُنھوں نے ہمارے ملکوں کی بڑی وسیع منڈیاں اپنی مہنگی مصنوعات اور "ماہرانہ خدمات" کی فروخت کے لیے قابو میں کر رکھی ہیں جن سے وہ نہایت

سستے داموں خام اجناس حاصل کر کے ہمیں اس کام میں محور رکھنا چاہتی ہیں کہ ہم صنعت اور ٹیکنالوجی اور سائنس کی طرف کچھ زیادہ پیش قدمی نہ کر سکیں، بلکہ خام اجناس اور تیل ہی فراہم کرتے رہیں۔ پھر یہ قوتیں جب چاہتی ہیں ہمارے ملک پر چڑھائی کروا دیتی ہیں، جب چاہتی ہیں ہمیں آپس میں لڑا دیتی ہیں، اور جب چاہیں دوستی کے وعدے کو بالائے طاق رکھ کر ہمیں کسی دشمن قوت سے پٹوا دیتی ہیں۔ یہ کھیل جس کا آغاز مغربی شہنشاہیت (امپریلزم) سے ہوا تھا، یہ آج بھی کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے۔

ہماری دوسری مصیبت یہ ہے کہ یہ قوتیں اپنی مخالفِ اسلام تہذیب کے ہر شعبے کو ہمارے معاشروں پر مسلط کر رہی ہیں۔ اس کام کے لیے زیادہ تر پچکارنے اور بہلانے اور بہکانے سے کام چل جاتا ہے، کیونکہ ذہنی غلامی کی فضا پہلے سے موجود ہے اور اس کے تحفظ اور نشوونما کے لیے ایسی لیڈرشپ اور بیوروکریسی ہمارے ہاں کمربستہ ہے جس کے سوا کبھی کوئی دوسرا اب تک یہاں حکمران نہیں ہو سکا۔ غلامی کی کشتی کے ملاح ہی آزادی کے سفینے کو کھے جا رہے ہیں اور سمتِ سفر بدلنے کا خیال کرتے ہی اُن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

غلامی کی اس محکم فضا میں ایک طرف عیسائی مشنریاں طوفانی کام کر رہی ہیں، دوسری طرف الحاد آموز علمی تصانیف کا سیلاب چلا آرہا ہے، اسی کے مطابق نصابی مضامین مرتب ہو کر آتے ہیں اور وہی ہمارے لیے نمونہ بنتے ہیں، چنانچہ ہماری مروجہ نصابی کتب میں ابتدا سے مدارجِ اعلیٰ تک مغرب کا نظریۂ ارتقاء رچا بسا ہوا ہے اور کسی اصلاحِ نصاب کمیٹی کی توجہ اس طرف نہیں جا سکی۔ اسی طرح تمام نصابی مواد میں جن واقعات، تصاویر یا تہذیبی روایات کو استعمال کیا جاتا ہے اُن میں مغربی چھاپ باوجود "جدید دورِ اسلامیت" کے واضح ہے۔ اس کے ساتھ وی سی آر اور وڈیو کیسٹ، ٹیلی وژن اور بیلو فلموں کے ذریعے انگریزی سے ترجمہ شدہ ڈراموں یا اُن کے عکس پیش کرنے والی کہانیوں کا سامنے آنا، مخلوط ثقافتی مجالس کی آفت، گندے ناولوں اور ڈائجسٹی کہانیوں اور عریاں تصاویر اور گھٹیا گانوں کے کیسٹ دھڑا دھڑ چلے آرہے ہیں۔ اور تو اور

اب عُریانی، جنسی جنون اور فحاشی کی غلاظت خدا تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے مقدّس یوم عید سے متعلق "عید کارڈوں" پر بھی غلبہ پا رہی ہے۔ اخباروں اور رسائل میں خواتین کی بڑے سائز کی کئی کئی رنگین تصاویر بر سر اشاعت پر چھاپنے کا مقابلہ شروع ہے۔

ادھر ماڈرن خواتین میں ٹھیک وہی تحریکیں شروع ہو رہی ہیں جن کو مغربی معاشروں نے ایجاد کیا۔ اور یہ تحریکیں یہاں تک جاتی ہیں کہ قرآن اور احکامِ شریعت کے خلاف بھی مظاہرے اور جلوس نکالے جاتے ہیں۔

ہماری تیسری مصیبت یہ ہے کہ دُنیا کے مختلف گوشوں میں ہم بہیمیت کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ہمارا خون بہہ رہا ہے اور ہماری بوٹیاں اُڑ رہی ہیں۔ قبرص و یونان ہو، افغانستان ہو، فلسطین و لبنان ہو، فلپائن ہو، اریٹریا ہو، بھارت ہو، آسام ہو، تھائی لینڈ ہو، ــــــ ہزاروں افراد ایک ایک ہلّے میں قتل ہو جاتے ہیں اور سپر پاور یا دُنیا کی کسی بھی نام نہاد مہذب حکومت کی طرف سے رسماً بھی کوئی آواز نہیں اُٹھتی۔ حال ہی میں مشرقی پنجاب کے سکھوں کے دربار صاحب پر حکومت کے حملے اور قتل و تباہی پر پوپ صاحب نے لب کشائی کی ہے، مگر مسلمانوں کی تباہی کے کسی واقعے پر پوپ صاحب یا مغرب کی کسی حکومت یا روس کے دل میں کبھی ہمدردی کی لہر نہیں اُٹھی۔

ایک طرف صورت یہ ہے کہ اسلامی تحریکیں جابجا سر اُٹھا رہی ہیں اور مسلمانوں میں احیائے اسلام کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے، اور دوسری طرف نہ صرف ان اسلامی تحریکوں کو خود مسلمانوں کے ہاتھوں ہی سے ظلم کا نشانہ بنانے کے لیے دُنیا کے اکابر اندر اندر خفیہ تار ہلاتے ہیں، بلکہ جابجا مسلمانوں کی عام تباہی پر دل ہی دل میں خوش ہوتے ہیں۔

ہماری چوتھی مصیبت یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ طرح طرح کے شیطانوں کی جولان گاہ بن گیا ہے۔

جرائم کا ایک طوفان بپا ہے، تشدد کے چھرے حرکت میں ہیں۔ بازاروں میں ڈکیتیوں کا بازار گرم ہے۔ اغوا اور کھلے بندوں بدکاری کے واقعات عام ہیں، غنڈے معصوم عورتوں کو ننگا کر کے سرِبازار پھراتے ہیں، تخریب کار بچوں کو اٹھا لے جاتے ہیں اور پھر اُن سے کم خوراک پر جانوروں کی طرح کام لے لے کر ہلاکت کو پہنچا دیتے ہیں۔ خاص خاص افراد کو اغوا کر کے اُن کی رہائی کی قیمتیں وصول کی جاتی ہیں۔ ہر صاحبِ اختیار چاہے وہ کتنا ہی ادنیٰ رتبے کا کیوں نہ ہو، رشوت ستانی کی قینچی لیے ہر آدمی کی جیب کاٹنے کے لیے ہمہ وقت تیار بیٹھا ہے۔ حرام خوری عام ہو گئی ہے، عورتوں میں بے حجابی اور خود نمائی کا دور دورہ ہے۔ نئی نسلوں کے اخلاق تباہ ہو رہے ہیں۔ اور یہ سارا کچھ مذہبی عقیدوں اور دینی قدروں کی تباہی کا باعث ہے۔

ہماری پانچویں مصیبت یہ ہے کہ خود دینِ اسلام کے خلاف ایک طرف تو چند بڑے بڑے فتنے کام کر رہے ہیں، دوسری طرف کم علموں کی اخباری بحثیں انتشار انگیزی اور تشکیک کا باعث ہیں۔ بے حیائی اور منکرات و فواحش کا دور دورہ اسلامی اخلاق کی تباہی کا مؤثر حربہ ہے۔ اِدھر ایک نیا شگوفہ یہ کھلا ہے کہ دینی شخصیتوں کو اغوا کر کے گم کیا جا رہا ہے۔ تین چار واقعات مسلسل پیش آ چکے ہیں۔ حکومت اور پولیس میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ اس چھوٹے سے ملک کے چپے چپے پر نظر رکھ سکے۔ اور اُس کے اختیارات اور قوانین کے لمبے ہاتھوں سے کوئی مجرم بچ کے نہ نکل سکے۔

اسلامی قوانین کی جو تدوین کونسلیں اور کمیٹیاں کر رہی ہیں، اُن میں سے حکومت جسے چاہے قبول کرے، جسے نہ چاہے نہ کرے۔ اس موقع پر ضرورت تھی کہ اہم نزاعی مسائل پر (مثلاً عورت کی گواہی اور قصاص و دیت میں اس کا مقام) مختلف مدارسِ فکر کے علماء مل کر بیٹھتے اور متفقہ فیصلے دلائل کے ساتھ سامنے لاتے۔ پھر کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ انحراف کر سکتا۔

مگر علماء تو بیشتر فرقہ بندیوں کے "جہاد فی سبیل اللہ" میں مصروف ہیں۔ وہ کیسے توجہ فرمائیں۔

پس ہماری چھٹی مصیبت یہ ہے کہ اوپر کی مصیبتوں کا مقابلہ کرتے اور ان میں اپنی سلامتی کا اہتمام کرنے کے لیے اُمّتِ محمدیؐ کو جس اتحاد کی ضرورت تھی، علماء اِس وقت اُس اہم ضرورت پر متوجہ نہیں ہیں۔ اور کئی قرنوں سے وہ متوجہ نہیں ہو سکے۔

کاش کہ یہ سوچ سکیں کہ اگر اقوامِ غالب نے ہمیں کبھی تباہی میں جھونک دیا یا ہمارے اندر کے فتنوں نے ہمیں دبوچ لیا، یا باہر سے کوئی قوت ہم پر حملہ آور ہو گئی تو جو بھی سیلابِ بلا (خدانخواستہ) آئے گا، وہ یہ ہرگز نہیں دیکھے گا کہ دیوبندی کون ہے، اہلِ حدیث کون ہے، بریلوی کون ہے اور شیعہ کون ہے؟ کوئی مسلمان چاہے کسی مسلک کا ہو، وہ اس کا یکساں شکار ہوگا۔ کیا تشکیلِ پاکستان کے وقت آنے والی تباہی نے یہ پوچھا کہ اہلِ حدیث کون ہے اور بریلوی کون؟ کیا ۱۹۶۵ء کی جنگ میں جارحین نے دریافت کیا کہ بریلوی کون ہے اور شیعہ کون؟ کیا بنگلہ دیش کے طوفانِ ہلاکت نے کسی سے یہ پوچھا کہ تبلیغی جماعت والے کون ہیں اور جماعتِ اسلامی والے کون؟

لہ یہ بلا اب ملک سے برآمد کر کے مغربی ممالک میں پہنچائی جا رہی ہے۔ پچھلے کئی سال سے جو دینی قوتیں متحد ہو کر تبلیغ و توسیعِ اسلام کے لیے کام کر رہی تھیں، اُن کو یہاں سے جانے والے بعض واعظین نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ مسجدوں میں دنگے کرا کے اور اُن پر تالے ڈلوا کر غیر مسلموں کے لیے سامانِ تماشا بہم کر دیا گیا ہے، حالانکہ اُن کے سامنے دین کی تبلیغ کرنا اصل مقصود تھا۔ ایسے دنگے باز لوگوں کے دین پر کوئی غیر مسلم کیسے ایمان لا سکتا ہے۔ اپنے ملک میں یہ حال ہے کہ مسجدوں پر قبضہ کرنے کے لیے فوج کشی کی جاتی ہے اور اس کی ایک دردناک مثال شاہی مسجد کا المیہ ہے۔ اصل زد محکمۂ اوقاف کے موجودہ سربراہ مولانا عبدالقادر آزاد پر ہے اور انہیں اس جگہ سے ہٹوا کر کسی پسندیدہ شخصیت کو لانا مقصود ہے۔ اس سے پہلے محمد یوسف صاحب گورایا کے خلاف طوفان اُٹھا کر اُن کی خدمات کا لحاظ کیے بغیر ان کو پہلے "کھڈے لائن" لگوا دیا گیا۔ اور اب وہ پوری طرح برخواست کر دیئے گئے ہیں۔ کیا کہنے ہیں اس شانِ دینداری کے!

سو آج جو لمحۂ فرصت ہے اس میں سوچئے کہ آیا آپس میں لڑنا مرنا ہے، یا مل کر الحاد اور دہریت اور اشتراکیت اور صہیونیت اور چانکیائیت جیسی قوتوں کے خلاف جہاد آرا ہونا ہے!

آیئے ذرا اصرار اور گروہوں کا خیال دل سے نکال کر قرآن و حدیث کی تعلیم اتحاد پر غور کریں۔

—— واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا واذکروا نعمة اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً (آل عمران ۱۰۳) ترجمہ: اور سب کے سب اللہ کے رشتے کو تھامے رکھو اور پھوٹ کا شکار نہ ہو جاؤ، اور یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جو تم پر ہوئی، جب کہ تم آپس میں دشمن تھے، پھر اُس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم اُس کی عنایت سے بھائی بھائی بن گئے۔

—— وشرع لکم من الدین .... ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (الشوریٰ ۱۳) (ترجمۂ آخر) دین کو سیدھا رکھو اور اس میں تفرقہ نہ پیدا کرو۔

—— ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم (الانفال ۸)
ترجمہ: اور جھگڑوں میں نہ پڑو، ورنہ تم میں پھوٹ پڑ جائے گی اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

—— ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاً لست منھم فی شیءٍ۔ (الانعام - ۱۰۹)
(ترجمہ) جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہوں میں بٹ گئے، اُن سے یقیناً تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔

——— فتقطعوا امرهم بینهم زبراً کل حزبٍ بما لدیھم فرحون - (المومنون ۵۳)

(ترجمہ) پھر انہوں نے (دین کے متعلق) اپنے سارے معاملے کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرلیا۔ مختلف گروہوں کے ہاتھ جو جو کچھ لگا وہ اسی میں مگن ہیں۔

——— الانعام میں خدا نے عذاب دینے کی ایک صورت یہ بتائی: اَو یلبسکم شیعاً و یذیق بعضکم بأس بعض ۔ (الانعام - ۶۵)۔

(ترجمہ) یا وہ تمہیں گروہوں میں بانٹ دے اور ایک گروہ کی طاقت سے دوسرے گروہ کو مزہ چکھا دے۔

چند احادیث کی رہنمائی:

——— مشکوٰۃ میں ابی امامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماضلّ قومٌ بعد ھدًی کانوا علیہ الّا اوتوا الجدل - ترجمہ:- کوئی قوم بھی ہدایت کے بعد، اس پر چلتے ہوئے گمراہ نہیں ہوئی، بجز اس کے کہ لوگ باہم جدل میں پڑ گئے ہوں۔

——— قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلم اخو المسلم، لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یحقرہٗ ...... الخ (روایت حضرت ابوہریرہؓ۔ مسلم) - ترجمہ - مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، لازم ہے کہ وہ اس پر ظلم نہ کرے، اس کو بے یار و مددگار نہ چھوڑے اور اس کی تحقیر نہ کرے۔

——— بحسب امرئٍ المسلم من الشرِّ ان یحقر اخاہ مسلم، کل المسلم علی مسلم حرام دمہٗ ومالہٗ وعرضہٗ (ایضاً - مسلم)

ترجمہ:- ایک مسلم شخص کے لیے یہی برائی بہت بڑی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقارت سے دیکھے - ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

——— قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للمسلم علی المسلم ستّ خصال یعودہ اذا مرض ویشھدہ اذا مات ویجیبہٗ اذا دعاہ، ویسلم علیہ اذا لقیہ، ویشمتہٗ اذا عطس، وینصحُ لہ اذا غاب او شھد (روایت ابوہریرۃ۔ مشکوٰۃ) ترجمہ:۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں۔ بیمار ہو تو اُس کی عیادت کرے، مر جائے تو اُس کے جنازے میں شرکت کرے۔ اگر پکارے یا بلائے تو اُس کی طرف جائے، ملاقات ہو تو اس کو سلام کہے، چھینکے (اور الحمد للہ کہے) تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے، وہ سامنے ہو یا غیر حاضر، تو اس کی خیر خواہی کا حق ادا کرے۔

——— قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اذی مسلماً فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ۔ (روایت حضرت انس رضؓ بن مالک، مسند جد طبرانی) جس نے کسی مسلمان کو (جسمانی یا ذہنی) اذیت پہنچائی، اُس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی تو اُس نے گویا (اپنی جانب سے) اللہ کو اذیت پہنچائی (اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی دسترس اور اذیت رسانی سے محفوظ ہے)۔ وضاحت:۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اُس نے اللہ کو ناراض کیا۔

——— نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ فرمایا: مومن ایک دوسرے کے لیے دیوار کی مانند ہیں اور ایک دوسرے کو اس طرح قوّت بہم پہنچاتے ہیں جیسے دیوار کی اینٹیں (جُڑ کر) ایک دوسرے کے لیے تقویت کا باعث ہوتی ہیں۔ پھر آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال دیں اور پھر اُن کو دکھا کر کہا کہ اس طرح۔ (روایت ابو موسیٰؓ۔ متفق علیہ)۔

کیا ہمارے علماءِ کرام ان چند آیات و احادیث کو سامنے رکھ کر آپس میں تعلقات رکھنے کے علاوہ عام مسلمانوں کو ان کی تعلیم دینے کے لیے تیار ہیں؟

خدا و رسول کو جو اتحادِ ملت مطلوب ہے اُس کے لیے ضروری ہے کہ:

۱ــــ امورِ غیب و نکاتِ آیاتِ متشابہات سے زیادہ زور محکمات پر دیا جائے۔

۲ــــ لوگوں کو خدا و رسول کے وہ احکام اور اخلاق اور فضائل بتائے جائیں جو روز مرہ عملی زندگی سے متعلق ہیں۔

۳ــــ اصل ہدف اصلاح معاشرہ ہونا چاہیے کہ رشوت اور خیانت اور تشدد اور بے حیائی اور فلسفہ ہائے باطل کی پیروی، عریانی، جنسیت اور لغو تفریحات اور شریعت سے انحراف کے متعلق فتنوں کے خلاف پوری توجہ کی جائے جائے اور ہر بار خطبات و مواعظ کے موضوعات اسی قسم کے ہوں۔

۴ــــ دُنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کے احوال بتا کر اُن کے لیے دُعائیں کی جائیں۔

۵ــــ لوگوں میں غلبۂ اسلام کے لیے جذبہ پیدا کیا جائے۔

۶ــــ اپنے کلامی یا فقہی مسلک کو نرم انداز میں اس طرح بیان کیا جائے کہ عام مسلمانوں سے علیحدگی کا تصور پیدا نہ ہو، اور نہ کسی دوسرے کی مخالفت اس طرح کی جائے جیسے فرقہ بندی میں کی جاتی ہے۔

۷ــــ ایک خدا کی بندگی، ایک رسولؐ کی محبت اور اتباعِ سنت، ایک قرآن کے کتابِ رہنما ہونے اور ایک کعبہ کے مرکز ہونے، نیز ایک کلمہ کے بیج سے نمودار ہونے والے درخت اُمت کے تصور کے تحت بار بار اس پر زور دیا جائے کہ ہم اپنے اپنے کلامیات اور فقہی مسائل پر چلتے ہوئے بھی ایک اُمت اور ایک صف ہیں۔

۸ــــ لوگوں کو احساس دلایا جائے کہ ہماری اصل دشمنی اور لڑائی اس دَور کے ملحدانہ خیالات، مادہ پرستانہ تہذیب، سپر پاورز کی سازشوں، مسلم دشمن قوموں کے مظالم کے خلاف ہے۔ اور ہم سب کو مل کر اس سیلاب کے آگے دیوار بن کر کھڑے ہونا چاہیے جو ہمارے ایمان و اخلاق اور ہماری تہذیبی قدروں اور ہمارے رہے سہے آثارِ شریعت کو تباہ کرنے کے لیے تیزی سے گھر گھر تک پہنچ رہا ہے۔

۹ــــ ایک ایسی مجلس کی تشکیل جو اس طرح کے ضابطۂ اخلاق کو مرتب کر کے اس کی نگہداشت

کرے کہ تقریریں اور تحریریں اس کے خلاف نہ ہوں ۔

۱۰۔ اسی طرح قوم کے لیڈروں سے مجھے یہ کہنا ہے کہ صوبوں اور زبانوں کے نام پر اس سرزمین کے مسلمانوں کو نہ لڑائیے جہاں ہم سب نے علامہ اقبال اور قائد اعظم کی تلقینات کے مطابق ایک اسلامی ریاست بطور ایک روشنی کے مینار کے قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے ۔ ہمیں دنیا بھر کو صاف ستھری زندگی کے لیے رہنمائی دینے کے لیے تیار ہونا چاہیے ۔ کجا یہ کہ ہم آپس ہی میں کبھی ایک سیاسی نعرے اور کبھی دوسرے معاشی اشغلے پر آپس میں لڑتے رہیں۔ اور کفر کا تسلط نہ صرف دنیا میں قائم کرے بلکہ ہم بھی اُس کے مخفی جال کی ڈوریوں میں بندھے رہیں اور وہ ایک ایک نشتر کو ہمارے ہاں داخل کرتا رہے ۔

آخر میں مجھے ایماندار اور سمجھ بوجھ رکھنے والے عوام سے یہ کہنا ہے کہ آپ اپنے لیڈروں اور علماء سے کہیے کہ اتحاد و اتفاق کی راہیں نکالیں اور قوم کو افتراق میں ڈالنے والے مسائل نہ اُٹھائیں۔ اگر پھر بھی افتراق پسند قوتیں باز نہ آئیں تو ایسے لوگوں کے وعظ اور تقریریں سننے سے انکار کر دیں اور اُن کے جلسوں میں نہ جائیں ——— خواہ وہ مذہب کے نام پر ہوں یا سیاست کے لیے ۔

اور اگر نجات اور سلامتی اور آزادی اور ظہور اسلام کے لیے راہِ اتحاد اختیار نہیں کی جاتی تو پھر۔

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

حکمتِ سیّد مودودیؒ

اتحاد و اتفاق کے ۵ اُصُول

اخذ و اقتباس کردہ ۔ جناب محمد یوسف صاحب

ہم یہاں چند ان بنیادی اصولوں کی نشاندہی کرتے ہیں جن پر اتفاق ممکن ہے، تاکہ سوچنے والے ان پر غور کریں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم ان اصولوں کو لیتے ہیں جو ملک میں تعمیری فضا پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے کہ اگر فضا ہی سازگار نہ ہو تو ملک کے نظامِ زندگی کی بنیادوں پر گفتگو کرنا لاحاصل ہے۔

۱۔ ہر حال میں صداقت و انصاف کا احترام

اولین چیز جس پر ملک کے تمام مختلف الخیال گروہوں اور اشخاص کو اتفاق کرنا چاہیئے وہ صداقت اور باہمی انصاف ہے۔ اختلاف اگر ایمانداری کے ساتھ ہو، دلائل کے ساتھ ہو اور اسی حد تک ہے جس حد تک فی الواقع اختلاف ہے تو اکثر حالات میں یہ مفید ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس طرح مختلف نقطۂ نظر اپنی صحیح صورت میں لوگوں کے سامنے آجاتے ہیں اور لوگ انہیں دیکھ کر خود رائے قائم کر سکتے ہیں کہ وہ ان میں سے کس کو قبول کریں تاہم اگر وہ مفید نہ ہو تو کم سے کم بات یہ ہے کہ مضر نہیں ہو سکتا، لیکن کسی معاشرے کے لئے اس سے بڑھ کر نقصان دہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی کہ اس میں جب بھی کسی کو کسی سے اختلاف ہو تو وہ "جنگ میں سب کچھ حلال ہے" کا ابلیسی اصول اختیار کر کے اس پر ہر طرح کے جھوٹے الزامات لگائے، اس کی طرف جان بوجھ کر غلط باتیں منسوب کرے، اس کے نقطۂ نظر کو

قصداً غلط صورت میں پیش کرے، سیاسی اختلاف ہو تو اسے غدار اور دشمنِ وطن ٹھہرائے، مذہبی اختلاف ہو تو اس کے پورے دین و ایمان کو متہم کر ڈالے اور ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے اس طرح پڑ جائے کہ گویا اب مقصدِ زندگی بس اسی کو نیچا دکھانا رہ گیا ہے۔ اختلاف کا یہ طریقہ نہ صرف اخلاقی لحاظ سے معیوب اور دینی حیثیت سے گناہ ہے، بلکہ عملاً بھی اس سے بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اس کی بدولت معاشرے کے مختلف عناصر میں باہمی عداوتیں پرورش پاتی ہیں اس سے عوام دھوکے اور فریب میں مبتلا ہوتے ہیں اور اختلافی مسائل میں کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتے اس سے معاشرے کی فضا میں وہ تکدّر پیدا ہو جاتا ہے جو تعاون و مفاہمت کے لئے نہیں بلکہ صرف تصادم و مزاحمت ہی کے لئے سازگار ہوتا ہے۔ اس میں کسی شخص یا گروہ کے لئے عارضی منفعت کا کوئی پہلو ہو تو ہو مگر بحیثیتِ مجموعی پوری قوم کا نقصان ہے جس سے بالآخر وہ لوگ خود بھی نہیں بچ سکتے جو اختلاف کے اس بیہودہ طریقے کو مفید سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔ بھلائی اسی میں ہے کہ ہمیں کسی سے خواہ کیسا ہی اختلاف ہو، ہم صداقت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اس کے ساتھ ویسا ہی انصاف کریں جیسا ہم خود اپنے لئے چاہتے ہیں۔

۲ — باہمی رواداری اور دوسرے کے حقِ رائے کو تسلیم کرنا

دوسری چیز جو اتنی ہی ضروری ہے اختلاف میں رواداری، ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش اور دوسروں کے حقِ رائے کو تسلیم کرنا ہے۔ کسی کا اپنی رائے کو حق سمجھنا اور عزیز رکھنا تو ایک فطری بات ہے۔ لیکن رائے رکھنے کے جملہ حقوق اپنے ہی لئے محفوظ کر لینا انفرادیت کا وہ مبالغہ ہے جو اجتماعی زندگی میں کبھی نہیں نبھ سکتا۔ پھر اس پر مزید خرابی اس مفروضے سے پیدا ہوتی ہے کہ "ہماری رائے سے مختلف کوئی رائے ایمانداری کے ساتھ قائم نہیں کی جا سکتی، لہٰذا جو بھی کوئی دوسری رائے رکھتا ہے وہ لازماً بے ایمان اور بدنیت ہے"۔ یہ چیز معاشرے میں ایک عام بدگمانی کی فضا پیدا کر دیتی ہے۔ اختلاف کو مخالفتوں میں تبدیل کر دیتی ہے اور معاشرے کے مختلف عناصر کو جنہیں بہرحال ایک ہی جگہ رہنا ہے اس قابل نہیں رہنے دیتی کہ وہ ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھ کر کسی مفاہمت و مصالحت پر پہنچ سکیں۔ اس کا نتیجہ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ صرف یہ کہ ایک مدت دراز تک معاشرے

کے عناصر ترکیبی آپس کی کشمکش میں مبتلا رہیں اور اس وقت تک کوئی تعمیری کام نہ ہو سکے جب تک کوئی ایک عنصر باقی سب کو ختم نہ کر دے یا پھر سب لڑ لڑ کر ختم ہو جائیں اور خدا کسی دوسری قوم کو تعمیر کی خدمت سونپ دے۔ بدقسمتی سے ناروا داری اور بدگمانی اور خود پسندی کا یہ مرض ہمارے ملک میں ایک وبائے عام کی صورت اختیار کر چکا ہے جس سے بہت ہی کم لوگ بچے ہوئے ہیں۔ حکومت اور اس کے اربابِ اقتدار اس میں مبتلا ہیں، سیاسی پارٹیاں اس میں مبتلا ہیں، مذہبی گروہ اس میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ بستیوں، محلوں اور دیہات تک ان کے اثرات سے محفوظ نہیں رہے۔ اس کا مداوا صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے وہ لوگ جو اپنے اپنے حلقوں میں اثر و نفوذ رکھتے ہیں اپنی روش تبدیل کریں اور خود اپنے طرزِ عمل سے اپنے زیر اثر لوگوں کو تحمل و برداشت اور وسعتِ ظرف کا سبق دیں۔

۳۔ اختلاف برائے اختلاف سے اجتناب

تیسری چیز جسے تمام ان لوگوں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے جو اجتماعی زندگی کے کسی شعبے میں کام کرتے ہوں، یہ ہے کہ ہر شخص اپنی قوتیں دوسروں کی تردید میں صرف کرنے کے بجائے اپنی مثبت چیز پیش کرنے پر صرف کرے۔ اس میں شک نہیں کہ بسا اوقات کسی چیز کے اثبات کے لئے اس کے غیر کی نفی ناگزیر ہوتی ہے، مگر اس نفی کو اسی حد تک رہنا چاہیئے جس حد تک وہ ناگزیر ہو اور اصل کام اثبات ہونا چاہیئے، نہ کہ نفی۔ افسوس کہ معاملہ یہاں اس کے برعکس ہے۔ یہاں زیادہ تر زور اس بات پر صرف کیا جاتا ہے کہ دوسرے جو کچھ بھی کر رہے ہیں اس کی مذمت کی جائے اور اس کے متعلق لوگوں کی رائے خراب کر دی جائے، بعض لوگ تو اس منفی کام سے آگے بڑھ کر سرے سے کوئی مثبت کام کرتے ہی نہیں اور کچھ دوسرے لوگ اپنے مثبت کام کے فروغ کا انحصار اس پر سمجھتے ہیں کہ میدان میں ہر دوسرا شخص جو موجود ہے اس کی اور اس کے کام کی پہلے مکمل نفی ہو جائے۔ یہ ایک نہایت غلط طریق کار ہے اور اس سے بڑی قباحتیں رونما ہوتی ہیں اس سے تلخیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس سے تعصبات ابھرتے ہیں اس سے عام بے اعتباری پیدا ہو جاتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سے عوام کو تعمیری طرز پر سوچنے کے بجائے تخریبی طرز پر سوچنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔

۴- جبر و دھونس کے بجائے دلیل و ترغیب

ایک اور بات جسے ایک قاعدۂ کلیّہ کی حیثیت سے سب کو مان لینا چاہیے یہ ہے کہ اپنی مرضی دوسروں پر زبردستی مسلط کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے جو کوئی بھی اپنی بات دوسروں سے منوانا چاہتا ہو وہ جبر سے نہیں بلکہ دلائل سے منوائے اور جو کوئی اپنی کسی تجویز کو اجتماعی پیمانے پر نافذ کرنا چاہتا ہو وہ بزور نافذ کرنے کے بجائے ترغیب و تلقین سے لوگوں کو راضی کر کے نافذ کرے۔ محض یہ بات کہ ایک شخص کسی چیز کو حق سمجھتا ہے یا ملک و ملت کے لئے مفید خیال کرتا ہے اس بات کے لئے کافی نہیں ہے کہ وہ اٹھے اور زبردستی اس کو لوگوں پر مسلط کرنے کی کوشش شروع کر دے۔ اس طریقِ کار کا لازمی نتیجہ کشمکش مزاحمت اور بدمزگی ہے۔ ایسے طریقوں سے ایک چیز مسلّط تو ہو سکتی ہے مگر کامیاب نہیں ہو سکتی کیونکہ کامیابی کے لئے لوگوں کی قبولیت اور دلی رضامندی ضروری ہے۔ جن لوگوں کو کسی نوع کی طاقت حاصل ہوتی ہے خواہ وہ حکومت کی طاقت ہو یا مال و دولت کی یا نفوذ و اثر کی، وہ بالعموم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنی بات منوانے اور اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے رضائے عام کے حصول کا لمبا راستہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ بس طاقت کا استعمال کافی ہے لیکن دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایسی ہی زبردستیوں نے بالآخر قوموں کا مزاج بگاڑ دیا ہے۔ ملکوں کے نظام تہہ و بالا کر دیئے ہیں، اور ان کو پرامن ارتقاء کے راستے سے ہٹا کر بے تکے تغیّرات و انقلابات کے راستے پر ڈال دیا ہے پاکستان کے با اثر لوگ اگر واقعی اپنے ملک کے خیر خواہ ہیں تو انہیں دھونس کے بجائے دلیل سے اور جبر کے بجائے ترغیب سے کام لینا چاہیئے اور اسی طرح پاکستان کے عام باشندے بھی اگر اپنے بدخواہ نہیں ہیں تو انہیں اس بات پر متفق ہو جانا چاہیئے کہ وہ یہاں کسی کی دھونس اور زبردستی نہ چلنے دیں گے۔

۵- قومی مفاد کو مقدم رکھنا

اس سلسلے کی آخری بات یہ ہے کہ ہمیں اپنی چھوٹی چھوٹی عصبیتوں کو ختم کر کے مجموعی طور پر پورے ملک اور ملت کی بھلائی کے نقطۂ نظر سے سوچنے کا خوگر ہونا چاہیئے۔ ایک مذہبی فرقے کے لوگوں کا اپنے ہم خیال لوگوں سے مانوس ہونا یا ایک زبان بولنے والوں کا اپنے ہم زبانوں سے قریب تر ہونا،

یا ایک علاقے کے لوگوں کا اپنے علاقے والوں سے دلچسپی رکھنا تو ایک فطری بات ہے اس کی نہ کسی طرح مذمت کی جاسکتی ہے اور نہ اس کا مٹ جانا کسی درجے میں مطلوب ہے مگر جب اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے گروہ اپنی محدود دلچسپیوں کی بنا پر تعصب اختیار کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنے گروہی مفاد یا مقاصد کے لئے معرکہ آرائی پر اتر تے ہیں تو یہ چیز ملک اور ملت کے لئے سخت نقصان دہ بن جاتی ہے، اس کو اگر نہ روکا جاتے تو ملک پارہ پارہ ہو جاتے اور ملت کا شیرازہ بکھر جائے جس کے برے نتائج سے خود یہ گروہ بھی نہیں بچ سکتے لہٰذا ہم میں سے ہر شخص کو یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ جس فرقے، قبیلے، نسل، زبان یا صوبے سے بھی اس کا تعلق ہو اس کے ساتھ اس کی دلچسپی اپنی فطری حد سے تجاوز نہ کرنے پائے۔ یہ دلچسپی جب بھی تعصب کی شکل اختیار کرے گی تباہ کن ثابت ہو گی۔ ہر تعصب لازماً جواب میں ایک تعصب پیدا کر دیتا ہے اور تعصب کے مقابلے میں تعصب کشمکش پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا، پھر بھلا اس قوم کی خیر کیسے ہو سکتی ہے جس کے اجزائے ترکیبی آپس ہی میں برسرپیکار ہوں۔

(ترجمان القرآن۔ جولائی ۱۹۵۵ء)

وحدتِ ملّی کی دو حقیقی بنیادیں

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

یہ ایک المیہ ہے کہ آج کل جب ہمیں کفار کی سیاسی غلامی سے آزاد ہوئے ۳۷ سال گزر چکے ہیں۔ ہم آج بھی ملّی یک جہتی کی بنیادیں تلاش کر رہے ہیں۔ اُن کی ترجیحات اور تقاضوں پر بحث کر رہے ہیں۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ہم ملّی یک جہتی کی اتنی مقدار سے بھی محروم ہو چکے ہیں، جو ہمیں تشکیلِ پاکستان کے وقت حاصل تھی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم گذشتہ ۳۷ سال سے کسی راہرو پشت بہ منزل کی مانند اپنی منزل سے مخالف سمت میں سفر کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اب منزل کے نشانات بھی معدوم ہو رہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اس بھٹکے ہوئے قافلے کے ہمراہی بھی شکستہ پا اور مایوس ہو کر ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑتے نظر آتے ہیں۔ ہمارے بنگالی بھائی یہ کہہ کر چلے گئے کہ اگر تمہارے یہی لیل و نہار ہیں تو ہم تمہارے ساتھ مزید قدم ملا کر چلنے سے باز آئے اور ایسی ہی مایوسی کی آوازیں اور بھی سُننے میں آتی رہتی ہیں، لیکن ہم اپنے آپ کو یہ فریب دینے سے بالکل باز نہیں آتے کہ ہماری سمتِ سفر درست ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم سفرِ زندگی میں ایک گم کردہ راہ مسافر کی مانند ہیں۔ اِس سلسلے میں چند اُمور غور طلب ہیں:

۱۔ سب سے پہلے تو یہ بات طے کرنے کی ہے کہ ہم کون لوگ ہیں۔ در حقیقت اس بات کو فراموش کر کے ہم کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اگر ہم خود اس حیثیت کو فراموش بھی کریں تو ہمارے چاروں طرف کے دشمن ہماری اس حیثیت کو فراموش کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ اس لیے کہ اس حیثیت کے نتیجے میں ہی ہمیں یہ علیحدہ خطہ ملا ہوا ہے جسے فنا کرنے کے ہمارے دشمن درپے

ہیں۔ اس لیے ہمیں اس حقیقت سے صرفِ نظر نہیں کرنا چاہیے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اپنی اس حیثیت کو ہمیں مردانہ وار برداشت کرنا ہوگا۔ اور پھر اس حیثیت کے سبب جو کچھ ہم پہ آ لے اُسے سہنا ہوگا۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ یہ ملک ہم نے فوج کشی کر کے کہیں سے فتح کیا ہے یا عطیہ کے طور پر کسی نے ہمیں دیا ہے یا کسی وراثت میں ہمیں منتقل ہوا ہے یا کسی اُصولی سیاسی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ۳۷ سال پہلے ہمارا ملی وجود تو تھا لیکن یہ ملک موجود نہیں تھا۔ ہم نے یہ ملک اپنے اسلامی تشخص کو استعمال کر کے حاصل کیا ہے۔ گویا یہ ہمارے اسلامی تشخص کا رہینِ منت ہے۔ اگر ہمارا تشخص اسلامی نہ ہوتا تو نہ ہمارا دعویٰ جداگانہ قومیت کا ہوتا اور نہ ہمیں اس تشخص کے بدلے میں یہ ملک ملتا۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے جداگانہ اسلامی تشخص کو منوانے کے لیے کون سی قوت استعمال کی۔ کیا کوئی اسلامی فوج استعمال ہوئی یا دوسری کسی قوم نے ہماری مدد کی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری اس دلیل میں ہماری جمہوری جدوجہد نے وزن پیدا کیا۔ پوری ملت خیبر سے راس کماری تک یک جان ہوگئی۔ اور متفقہ اور متحدہ جمہوری جدوجہد کے ذریعے اپنے جداگانہ تشخص کا ثبوت فراہم کر دیا۔ اگر صرف پاکستانی علاقے کے مسلمان اپنے لیے جداگانہ ملک کا مطالبہ کرتے، تو اُن کی اس بات کو کوئی تسلیم نہ کرتا۔ جداگانہ قومیت کی دلیل سے جداگانہ مملکت کا جواز صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ ہندوستان کی پوری مسلم ملت اس کے لیے جدوجہد کرے۔ چنانچہ ہندوستان کی پوری ملتِ اسلامیہ نے مشترکہ طور پہ جمہوری جدوجہد کی تب اُن کے حق خود ارادیت کو تسلیم کرتے ہوئے قوموں کی برادری میں پاکستان کا اضافہ ہوا۔

اس تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ پاکستان کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ ایک اسلام اور دوسرا جمہوریت۔ یہ پہیے سلامت ہوں تو ملک سلامت ہے اور یہ پہیے شکستہ ہوں تو ملک کو شکست و ریخت سے بچانا ممکن نہیں ہے۔ انہی کے استحکام پہ ملک کے استحکام کا انحصار ہے۔ انہی دونوں کے امتزاج سے پاکستان کا ہیولہ وجود میں آتا ہے۔

اب سب سے پہلے ہم ملک کو جنم دینے والے اصول یعنی اسلام کی بات کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کی حقانیت اور حقیقت سے ملک کے کسی ایک مسلمان باشندے کو بھی انکار نہیں ہے، چنانچہ پہلے ہم مسلمانوں کی اس متفق علیہ بنیاد کی بات کرتے ہیں۔

جب ہم اسلام اور اس کے نفاذ و استحکام کی حالت دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ہم میں انفرادی لحاظ سے چاہے کیسے کیسے متقی اور دیندار افراد بھی کیوں نہ موجود ہوں، لیکن اجتماعی لحاظ سے ہم ایک مسلسل نفاق کی حالت گزار رہے ہیں۔ ہم اسلام کے "نام" کو مسلسل استعمال کر رہے ہیں، لیکن اس کا "کام" کرنے کے لیے ہم بالکل تیار نہیں ہیں۔ ہم نے ۳۷ سال اسی حال میں گزار دیئے ہیں کہ ہم نے بے شمار ڈیم اور پل تعمیر کیے لیکن ہم نے نظامِ اسلامی کی عمارت میں نیک نیتی سے ایک اینٹ بھی سیدھی نہیں رکھی ہے۔ ہمارا طرزِ عمل صاف غمازی کرتا ہے کہ ہم بیک وقت خدا اور خلقِ خدا کے ساتھ وعدہ خلافی اور چال بازی کا طرزِ عمل اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسلام کا نام تو ہمیں ملک کی تشکیل میں تحریک چلانے کے لیے مدد دے گیا تھا، لیکن اب ملک کی تعمیر و تشکیل و ترقی کے مرحلے میں بھی صرف نام ہی کیسے کام دے سکتا ہے۔ دوا کا نام لینے ہی اگر شفا مل جاتی تو پھر ڈاکٹروں اور میڈیکل کالجوں کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی!

یہی وجہ ہے کہ جب ہم نے ملت کی مشترکہ بنیادی وفاداری کو مضمحل بلکہ منہدم کر دیا ہے تو پھر دوسرے درجے پر دوسری دوسری عصبیتوں اور نئی نئی وفاداریوں کی بنیادوں کا اُبھرنا ایک فطری امر ہے اور آج ہم اسی تقسیمِ وفاداری کے بحران سے دوچار ہیں۔

ہماری آبادی کا بہت بڑا حصہ احکامِ الٰہی سے آج بھی بے خبر ہے۔ جب کہ ۳۷ سال سے تمام ذرائع و وسائل ہمارے قبضہ میں ہیں۔ ہمارے ملک میں علانیہ خدا اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ فسق و فجور میں شب و روز اضافہ ہے اور فی الحقیقت ہم آزاد ہونے کے بعد اپنی اسلامی حالت میں دورِ غلامی کی حالت سے بھی دور جا پڑے ہیں۔ ہم بحیثیت ملت، اسلام کو صرف اپنے اقتدار اور مفاد کے لیے حربے کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اس میں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ ہم اسے اپنا دین ضرور مانتے ہیں لیکن اپنی زندگی کے مسائل حل کرنے کے لیے اس کا کوئی حکم بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ فی الحقیقت جس اصول نے مسلمان

کو جداگانہ تشخص اور پاکستان کو جنم دیا تھا اُس اُصولی زندگی کو ہم نے بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے دورِ آزادی میں اس حد تک پامال کیا ہے کہ اُس کی سو تعبیریں بن گئی ہیں۔ ہم ملّتِ واحدہ کی صورت میں پاکستان میں داخل ہوئے تھے۔ اور اب ہم درجنوں حلقوں میں تقسیم ہیں۔ ہم نے بہ حال اُس محکم بنیاد کا بنایا ہے جس پہ پاکستان کھڑا ہے۔

۲۔ اب ہم پاکستان کی دوسری بنیاد کا تذکرہ کرتے ہیں، جو اس کی یکجہتی اور قوّت کا دوسرا سرچشمہ ہے۔ فی الحقیقت جمہوریت ہی ہماری قوّت اور اتحادِ عمل کی علامت ہے۔ یہی ہمارا وہ ہتھیار ہے جس کی مدد سے ہم نے یہ ملک حاصل کیا۔ یہی وہ لائحۂ عمل ہے جس نے دورِ غلامی میں بھی ہمیں حرّیت اور آزادی کا راستہ دکھایا۔ یہی وہ قرآن کا بنایا ہوا واضح لائحۂ عمل ہے جس پر چل کر مسلمان متحد رہ سکتے ہیں، یعنی اسلامی شورائی نظام جسے دورِ حاضر میں جمہوریت کہتے ہیں۔ بلاشبہ اس میں بہت سے غیر اسلامی اجزا شامل ہوگئے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ سیکولرسٹ سرمایہ داروں کے نرغے میں جاکر اس میں اُن کے اثرات شامل ہونا ایک فطری بات تھی، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ افلاطون نے تو جمہوریت کے نام پہ ایک بلدیاتی اور پنچایتی نظام کی نشاندہی ہی کی تھی، لیکن جمہوریت کا حقیقی سیاسی نظامِ مملکت، جس کے ذریعے کسی مملکت کا نظام چلایا جاسکے، سب سے پہلے قرآن نے ہی بنی نوعِ انسان کو سکھایا۔ فرمایا: اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ ...... "مسلمانوں کے معاملاتِ ملّی باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں"۔ اور وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ اور "اے نبیؐ اپنے امورِ مملکت طے کرنے میں مسلمانوں کو مشوروں میں شامل رکھیے"۔ یہ جمہوریت ہے جس کا ہمیں حکم ہے اور جس کے ذریعے ہم نے پاکستان حاصل کیا۔ آمریت میں تحریکِ پاکستان نہ چل سکتی تھی۔

لیکن گذشتہ ۲۴ سال میں ملّی یکجہتی کے اس مستحکم ستون کو جس جس طرح ہم نے پامال کیا ہے، شاید اس طرح کوئی دیوانہ ملاح بھی اپنی پتوار نہ توڑتا ہوگا۔

۱۔ جب ملک قائم ہوا تو مشترکہ اور متحدہ ہندستان کی مرکزی اسمبلی میں جو مسلمان ممبران تھے وہی پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبران قرار پائے اور جو مسلمان ممبران غیر مسلم ممبران کے چلے جانے کے بعد صوبائی اسمبلیوں میں بھیج گئے تھے وہی صوبائی اسمبلیوں کے ممبران قرار پائے۔

حقیقی جمہوری اسپرٹ کے پیش نظر مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے از سر نو انتخابات ہونے چاہئیں تھے تاکہ نئے ملک کے نئے حالات میں نئی آبادی کی حقیقی نمائندگی ہوتی ___ جمہوری جذبہ قائم اور بیدار رہوتا، لیکن متحدہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے مسلمان ممبران والی قومی اسمبلی پاکستان میں چھ سال تک قائم رہی اور صوبائی اسمبلیوں کے جو انتخابات ۵ سال کے بعد ہوئے وہ جمہوریت کی لاش پر وحشیانہ ناچ سے بھی بدتر تھے۔ وہ صرف دھن، دھونس دھاندلی، دھوکا اور دشنام کے انتخابات تھے۔

۲ ___ پھر اکتوبر ۱۹۵۸ سے جولائی ۱۹۶۲ء تک ایوبی مارشل لا رہا۔

۳ ___ پھر جولائی ۱۹۶۲ء سے مارچ ۱۹۶۹ء تک ایوبی سول مارشل لا رہا۔

۴ ___ پھر مارچ ۱۹۶۹ء سے دسمبر ۱۹۷۱ء تک یحییٰ مارشل لا رہا۔

۵ ___ پھر دسمبر ۱۹۷۱ء سے اپریل ۱۹۷۳ء تک بھٹو مارشل لا رہا۔

۶ ___ پھر اپریل ۱۹۷۳ء سے جون ۱۹۷۷ء تک جمہوری حکومت رہی لیکن عوام کے نااہل نمائندوں نے اس جمہوریت کو مارشل لا کے جذبہ اور اسپرٹ کے سامنے ہی چلایا۔ اور جمہوریت کو آزادی اور سکون کا سانس تک نہ لینے دیا۔ جس کے نتیجے میں ایک جمہوری اسلامی تحریک چلی اور اس نے جمہوریت نما آمریت کو اُکھاڑ دیا، لیکن آمریت روپ بدل کر مارشل لا بن گئی۔

۷ ___ اور پھر جولائی ۱۹۷۷ء سے اب تک خالص "اسلامی" مارشل لا جاری ہے اور ظلمات کے اس بحرِ الکاہل کا ابھی دُور دُور تک کوئی کنارا نظر نہیں آتا۔ آزادی کی اس مدت میں عوام الناس ملی حیثیت سے دوبار متحد ہو کر قربانیاں دے کر آمریت سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد کر چکے ہیں اور دونوں بار آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئے ہیں۔ یہ حال ہم نے اپنے نوزائیدہ ملک پاکستان میں اس جمہوریت کا بنایا ہے جو پاکستان کے لیے ماں کی مانند ہے جس کی گود میں ہی پاکستان نے جنم لیا تھا۔

اسی جبر کا نتیجہ ہے کہ عوام الناس میں بے صبری، عدم تحمل اور ملی جذبات کے مقابلے میں ذاتی مفادات کی سوچ بیدار ہو گئی ہے۔ جمہوری پارٹیاں منتشر، غیر منظم، عوام سے دُور اور بے شمار ہو گئی ہیں۔ یہ سب کچھ جمہوریت کو نظر انداز کرنے کے سبب ہوا۔ اگر جمہوریت چلنے

رہتی تو ملک میں یک جہتی پیدا ہوتی۔ عوام کا اجتماعی احساسِ محرومی ختم ہو جاتا اور پاکستان مستحکم، مضبوط اور پائیدار بنیادوں پر کھڑا ہو کر عالمِ اسلام کا بازوئے شمشیر زن بن چکا ہوتا۔ میری یہ رائے ہے کہ کوئی مارشل لا اسلامی نہیں ہوتا۔ اسلام کا تصورِ سیاست مارشل لا سے اِبا کرتا ہے۔ اس لیے کسی مارشل لا کی مدد یا ذریعے سے اسلامی نظام نافذ نہیں ہو سکتا۔ اس پر ہماری ملت کی پوری تاریخ گواہ ہے۔ ہماری پوری تاریخ میں مارشل لا ہی رہا ہے۔ اور خلافتِ راشدہ کے بعد ہم سب ملّی طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ نظامِ اسلامی نافذ نہیں رہا۔ اسلام صرف شورائیت سے ہی نافذ ہو سکتا ہے۔ اس لیے اسلام کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ جمہوریت کا مذہب ہے اور اسے کسی جمہوری حکومت کے سپرد ہی کیا جا سکتا ہے کہ وہی اس کے نفاذ کا راستہ نکالے۔ اس کے نفاذ کے بارے میں مارشل لا کو مزید تکلیف اُٹھانے کی حاجت نہیں ہے۔ البتہ یہ بات اپنی جگہ محکم ہے کہ اگر ہم نے مزید اسلام کو ملتوی رکھا تو شاید ہمارے جداگانہ تشخص کا جواز بھی عقلاً اور فطرتاً ختم ہو جائے۔

البتہ جمہوریت کا مسئلہ نہایت درجہ اہم ہے اس لیے کہ اسلام کے نفاذ کا راستہ صرف جمہوریت ہے اور دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اورنگ زیبؒ جیسا بادشاہ بھی اپنے ۵۰ سالہ طویل دورِ حکومت کے باوجود اسلام نافذ کرنے سے قاصر رہا۔ وہ بھی بس زیادہ سے زیادہ قانون کی ایک کتاب عدالتوں کے استفادے کے لیے فتاویٰ عالمگیری مرتب کر سکا تھا۔

اس لیے اسلام کا نفاذ یا تو انقلاب کا مرہونِ منت ہے، جیسے رسولِ اکرمؐ نے اسلامی انقلاب برپا فرمایا تھا۔ اور یا پھر یہ نظام مسلمان عوام کے صالح نمائندوں کی معرفت نافذ ہو سکتا ہے۔ جیسے ایران میں آج عوام کے منتخب عوامی نمائندوں کی معرفت نافذ کیا جا رہا ہے۔ ہمارے موجودہ مسائل کا حقیقی حل جمہوریت ہی ہے۔ جمہوریت کے ذریعے ہی ہمارے دوسرے مسائل بھی حل ہوں گے۔ مصائب اور خطرات کے گھرے ہوئے بادل چھٹیں گے اور قوم میں وہ قوت اور توانائی پیدا ہوگی جو خطروں کا مقابلہ کرنے کے لیے قوموں میں موجود ہونا ضروری ہے۔

اس لیے ہماری ترجیحِ اوّل یہ ہونی چاہیے اور حالات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہمیں سب

سے پہلے اس ملک میں جمہوریت کو بحال کرنا چاہیے، لیکن مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے الفاظ میں ہمارے نزدیک کوئی پائیدار اور مستحکم جمہوری نظام اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک ہماری قومی زندگی کے تمام عناصر اخلاص اور ایمانداری کے ساتھ حسبِ ذیل چھ[1] اصولوں پر متفق نہ ہو جائیں اور عملاً ان کی پابندی کا فیصلہ نہ کر لیں:

۱۔ اوّل یہ کہ ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت چونکہ اسلامی نظام چاہتی ہے اس لیے جو لوگ اس سے متفق نہیں ہیں وہ اکثریت کی رائے کے مطابق ملک میں اس نظام کے قیام کو قبول کر لیں اور غیر جمہوری طریقوں سے اس کی مزاحمت چھوڑ دیں۔ خصوصیت کے ساتھ وہ لوگ جو سازشوں اور مار دھاڑ کے ذریعے پاکستان پر کوئی غیر اسلامی نظریہ مسلط کرنے کی کوشش کریں، اس ملک کے دشمن ہیں اور ملک کے ہر خیر خواہ کا فرض ہے کہ وہ پوری طاقت سے اُن کا مقابلہ کرے۔

۲۔ دوم یہ کہ ملک تمام باشندوں کا ہے نہ کہ کسی خاص طبقے یا گروہ کا۔ اس لیے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ عام باشندوں کو ملک کے معاملات سے بے دخل کر کے فرمانروائی اپنے لیے مخصوص کر لے۔

۳۔ سوم یہ کہ ملک کا نظم چلانا باشندگانِ ملک کے نمائندوں کا کام ہے اور ملازمینِ حکومت کا کام ان کی ہدایات کے تحت ملک کا انتظام کرنا ہے۔ جو سرکاری ملازمین نمائندگانِ قوم کی اطاعت نہ کرنا چاہتے ہوں یا اُن کی پالیسی سے مطمئن نہ ہوں یا اپنے مخصوص نظریات کو رواج دینا چاہتے ہوں، اُن کے لیے سیدھا راستہ یہ ہے کہ وہ مستعفی ہو کر آئینی اور جمہوری طریقوں سے نظامِ حکومت میں تبدیلی کی کوشش کریں، مگر یہ حق اُن کو حاصل نہیں ہے کہ ملازم رہتے ہوئے خود ایک سیاسی جتھے کی شکل اختیار کر لیں اور جو اختیارات اُنہیں ملک کے انتظام اور دفاع کی خاطر دیئے گئے ہیں، اُنہیں ملک پر قبضہ کر لینے کے لیے استعمال کریں۔

۴۔ چہارم یہ کہ ملک کے صحیح نمائندے صرف وہی ہیں جنہیں لوگ اپنی آزاد مرضی سے

---

[1] استحکامِ پاکستان کے چھ اصول (منشور)

منتخب کریں۔ لالچ، دباؤ، دھوکے، دھاندلی اور حکومت کے اثرات سے انتخابات جیتنے والے دراصل غاصب اور جمہوریت کے قاتل ہیں۔ اس ملک کی سیاسی زندگی سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کو عہد کر لینا چاہیے کہ کبھی وہ انتخابات میں نہ خود ان ذرائع سے کام لیں گے اور نہ کسی ایسے شخص یا گروہ کا ساتھ دیں گے جو اپنے ملک اور اپنی قوم کے ساتھ اس غداری کا ارتکاب کر رہا ہو۔

۵ – پنجم یہ کہ ہر شخص اور ہر گروہ جمہوری و آئینی طریقوں سے اپنے نقطۂ نظر کے لیے رائے عامہ ہموار کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس حق پر کوئی پابندی نہ ہونی چاہیے اور اس راستے سے اقتدار تک پہنچنا ہر ایک کے لیے جائز۔ مگر اس کے سوا کسی دوسرے راستے حصولِ اقتدار کی کوشش کسی کے لیے بھی جائز نہیں۔ کوئی شخص اس طرح اقتدار حاصل کرنے پر قادر بھی ہو تو اُسے ملک کی بھلائی کی خاطر اس سے باز رہنا چاہیے۔

۶ – ششم یہ کہ ملک کا پریس، ریڈیو، ٹی وی اور خبر رساں ایجنسیاں وہ ذرائع ہیں جن سے باشندگانِ ملک حالات اور خیالات سے باخبر ہو کر معاملات میں رائے قائم کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ ان ذرائع کو کبھی حقائق پر پردہ ڈالنے اور کسی کے حق میں یک طرفہ پروپیگنڈا کرنے کے لیے استعمال نہ ہونا چاہیے۔ جمہوریت اس کے بغیر نشوونما نہیں پا سکتی کہ عوام اپنے ملک کے حالات سے بھی آگاہ ہوں اور ہر گروہ کا نقطۂ نظر بھی اپنی اصلی شکل میں اُن کے سامنے آتا رہے۔

ان نکات کی روشنی میں تناسب نمائندگی کے اُصول پر عام انتخابات آزادانہ اور منصفانہ بالغ رائے دہی کی بنا پر کروائے جائیں۔ ووٹر پر قدغن نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ حقِ شہریت ہے۔ البتہ نمائندگی میں صفات کا اہتمام کیا جائے۔ چونکہ اسمبلی کا کام ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ ہوگا اس لیے اسمبلی کی ممبرشپ کے لیے نمائندگی کی ایسی صفات بھی مقرر کی جائیں جو اسلام کو رائج اور نافذ کرنے میں ممد و معاون ہوں۔ ہمارے خیال میں مندرجہ ذیل اوصاف کے نمائندے نفاذِ اسلام میں مددگار ہو سکتے ہیں اور ایسے ہی لوگ عوام کی حقیقی نمائندگی بھی کر سکتے ہیں اور جمہوریت کو شورائی جذبے کے ساتھ چلا سکتے ہیں۔ اسلامی جمہوریت میں مسلمان نمائندے

کے اوصاف یہ ہونے چاہئیں۔

۱ — وہ عاقل، بالغ اور مسلمان ہوں۔

۲ — وہ قرآن و سنّت کے عائد کردہ فرائض کے پابند ہوں۔

۳ — وہ شرعی منکرات اور اخلاقی جرائم سے اجتناب کرتے ہوں۔

۴ — اُن کی دیانت داری اور امانت داری ہر قسم کے شبہ سے بالاتر ہو۔

۵ — وہ عرفِ عام میں صالح اور پاکیزہ کردار کے مالک ہوں ظلم و زیادتی اور حق تلفی کے الزام ان پر موجود نہ ہوں۔

۶ — ان پر جھوٹی شہادت دینے کی کوئی تہمت موجود اور ثابت نہ ہو۔

۷ — وہ قرآن و سنّت کا مناسب علم رکھتے ہوں جس سے اسلامی اور غیر اسلامی افکار و اعمال کی شناخت کر سکتے ہوں۔

۸ — وہ جدید علوم میں مناسب دسترس اور حالاتِ حاضرہ سے مؤثر آگاہی رکھتے ہوں۔

۹ — ملکی دستور اور قانون سے اُن کی آگاہی قابلِ لحاظ ہو۔

۱۰ — وہ صاحب الرائے صاحب بصیرت، اور معاملہ فہم ہوں۔

۱۱ — اُن کی ملی وفاداری اور حب الوطنی ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہو۔

۱۲ — وہ حکومت کے کسی منفعت بخش منصب پر فائز نہ ہوں۔

ان صفات کے نمائندوں کے ساتھ جو قومی اسمبلی یا مجلسِ شوریٰ منتخب ہوگی۔ وہ نفاذِ اسلام میں بھی مخلص ہوگی اور اس کا تعلیم پر قادر بھی ہوگی۔ غرض اسلام اور جمہوریت کا مخلصانہ نفاذ" یہی دو بنیادیں ـــــ ملی یک جہتی کی حقیقی بنیادیں ہیں۔ جس روز یہ دو بنیادیں مستحکم ہو جائیں گی۔ پاکستان کی گاڑی کو وہ دو مضبوط اور مستحکم پہیے مل جائیں گے جس کے نتیجے میں وہ قوموں کی دوڑ میں انشاء اللہ بہت آگے نکل جائے گا۔

حامدی صاحب کے تحریکی سفر کی داستان

(بہ شکل خطوط، بنام قاری منہاج الدین صاحب)

مولانا خلیل حامدی صاحب ڈائریکٹر ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور

پچھلے سفروں کی مختصر روداد یں آپ کو بھیج چکا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ ان رودادوں پر مشتمل میرے تمام مکاتیب آپ کو مل گئے ہوں۔ یہ خط میں آپ کو کویت سے لکھ رہا ہوں۔

کویت میں طویل قیام

کویت میں میرا قیام کچھ طویل ہو گیا ہے۔ یہاں چونکہ حلقۂ احباب بہت وسیع ہے اس لیے بڑی مشکل کے ساتھ مختلف پروگراموں کو بھگت رہا ہوں۔ میں کویت میں ۱۳ دسمبر ۱۹۸۳ء کو پہنچ گیا تھا اور آج ۱۳ جنوری ۱۹۸۴ء ہے۔ واپسی کے لیے آج کل کرتے ہوئے تین ہفتے ہو گئے ہیں۔ سردست میرا ارادہ یہ ہے کہ میں ۷ جنوری کو ریاض چلا جاؤں اور چند روز ریاض میں رہ کر لاہور پہنچ جاؤں۔ یہ ارادہ کہاں تک بروئے کار آتا ہے، خدا ہی جانتا ہے۔

لا تجری الریاح بما تشتہیہ السفن۔

ہوٹل فنیقیا کے مسلمان کارکن

میں کویت میں، کویت کی اسلامی تحریک جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی، کی دعوت پر آیا ہوں۔ کویت کے ایک بارونق حصے میں میں فنیقیا ہوٹل میں مقیم ہوں۔ یہ ایک درمیانے درجے کی فرودگاہ ہے، لیکن ایک خوبی اس میں ایسی پائی جاتی ہے جو یہاں کے ہلٹن اور ہولیڈے ان میں بھی نہیں پائی جاتی۔ وہ یہ ہے کہ اس کے تمام خدمت گار، خواہ اُن کا تعلق ریستوران سے ہو یا روم سروس سے، ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی اکثریت مسلمان ہے، بلکہ مزید برآں ان کی ہمدردیاں تحریک اسلامی کیرالا (بھارت) سے ہیں، چنانچہ ان لوگوں کی کارگردگی

میں یہاں پاکیزگی کے ساتھ ساتھ اسلامی جذبات کی عملداری بھی ہے۔ یہ تمام ملازمین خاکسار سے بہت محبت کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ جناب میاں طفیل محمد صاحب بھی اسی ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔ یہ لوگ ان کی بھی بار بار خیریت معلوم کرتے رہتے ہیں۔ بعض نوجوانوں کے پاس مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ رحمۃ اللہ علیہ کی تصویریں ہیں جنہیں وہ بڑے شوق سے مجھے لا کر دکھلاتے رہتے ہیں۔ اس ہوٹل میں دو مَطعَم (ریستوران) ہیں۔ ایک مطعم ہندی جس میں ہندو پاک کے پکوان پیش کیے جاتے ہیں اور دوسرا مطعم چینی (چینی ریستوران) جس کے کھانے بھی چینی، خدمت گار بھی چینی اور نظم و نسق بھی چینیوں کے ہاتھ میں ہے۔

ہفتۂ افغانستان و اقوامِ اسلامیہ

اُوپر عرض کر چکا ہوں کہ میں یہاں جمعیت الاصلاح الاجتماعی کی دعوت پر آیا ہوں۔ دراصل جمعیت نے یہاں ۲۴ دسمبر تا ۳۰ دسمبر ۱۹۸۳ء (کویت میں) "ہفتۂ افغانستان و اقوامِ اسلامیہ" منایا ہے۔ اس تقریب میں شرکت کے لیے جمعیت نے "اتحادِ اسلامی مجاہدینِ افغانستان" کے امیر پروفیسر عبدالرسول سیاف کو بھی مدعو کیا تھا۔ لبنان اور مصر سے بھی بعض حضرات شریک ہوئے تھے۔ عام تقریبات تو ۲۳ دسمبر ۱۹۸۳ء کو شروع ہو گئی تھیں، البتہ تقریروں کا پروگرام ۲۵ دسمبر ۱۹۸۳ء کو شروع ہوا۔ مغرب کے بعد جمعیت کے آڈیٹوریم میں افتتاحی تقریب منعقد ہوئی۔ جمعیت کے صدر استاذ عبداللہ العلی المطوّع نے افتتاحی خطاب پیش کیا اور ہفتۂ افغانستان و اقوامِ اسلامیہ کے مقاصد اور ضرورت پر روشنی ڈالی۔ ان کے بعد کویت کے وزیر صحت ڈاکٹر عبدالرحمٰن عوضی نے مختصر تقریر کی اور افغانستان کی تحریک آزادی اور اسلامی شریعت کے نفاذ کی کوششوں کو سراہا۔ آخر میں سیاف صاحب نے تقریر کی۔

افغان فنڈ کے لیے رفاہی بازار

یہ تقریری پروگرام تین دن تک جاری رہا۔ اس کے ساتھ ہی جمعیت کی طرف سے جمعیت کے مرکز میں السُّوق الخیری کے عنوان سے ایک رفاہی بازار[1] لگایا گیا۔ جمعیت کے کارکنوں نے اس میں مختلف اشیا کے سٹال لگائے جن پر یہ

---

[1] پاکستان میں ایسا بازار صرف مینا بازار ہوتا ہے جسے آراستہ پیراستہ بیگمات اور طالبات لگاتی ہیں (ادارہ)

اشیاء لگے داموں فروخت ہوتی ہیں اور یہ ساری آمدنی افغان فنڈ میں جمع ہو رہی تھی۔ جمعیت کے کارکن یہ اشیا کویت کے دکانداروں سے عطیہ کے طور پر جمع کرتے تھے اور پھر رفاہی بازار میں نہایت سستے داموں یعنی قیمتِ خرید پر فروخت کرتے تھے، چنانچہ وہی ریڈیو یا ٹیلی وژن یا جوتے یا کپڑے جو بازار میں تاجر کئی گنا منافع پر فروخت کر رہے تھے، رفاہی بازار میں نہایت سستے بک رہے تھے۔ اس کی وجہ سے "السوق الخیری" میں خریداروں کا بڑا ہجوم تھا۔ کویت کے تاجروں نے اس مہم میں بڑی دلچسپی اور تعاون کا اظہار کیا۔ جمعیت کے کارکن جس دکاندار کے پاس گئے اُس نے بلا تردد اپنے سامان میں سے کچھ نہ کچھ فنڈ کے طور پر پیش کر دیا۔ رفاہی بازار میں آنے والے بعض خریدار بھی بڑے صاحبِ جذبہ نکلے۔ وہ ایک چیز خریدتے تھے، اُس کی قیمت ادا کر دیتے اور پھر خریدی ہوئی چیز بھی وہیں چھوڑ کر چلے جاتے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں انفاق میں کویت کے مسلمانوں نے بڑی دلچسپی لی اور شوق و ولولے کا ثبوت دیا۔ کویت کا ہر فرد مسئلہ افغانستان سے بڑی دلچسپی رکھتا ہے اور مجاہدینِ افغانستان کو بڑی محبت و عقیدت سے یاد کرتا ہے۔

دوسری طرف وزارتِ اوقاف کی طرف سے کویت کے خطبائے مساجد کے نام ایک چھٹی جاری کی گئی تھی جس میں اُنہیں توجہ دلائی گئی تھی کہ وہ خطباتِ جمعہ میں افغانستان و اقوامِ اسلامیہ کے موضوع پر تقریر کریں اور عوام الناس کو انفاق فی سبیل اللہ پر اکسائیں۔

افغانستان کے متعلق تصویری نمائش جمعیت اصلاح کے مرکزی دفتر میں افغانستان کے متعلق ایک تصویری نمائش بھی لگائی گئی جس میں افغانی مجاہدین کے کارنامے اور دشمن سے چھینے ہوئے اسلحہ اور زخمی مجاہدین کی تصویریں دکھائی گئیں۔ زخمی مجاہدین کی تصویریں زیادہ تر وہ تھیں جو پشاور کے "افغان سرجیکل اسپتال" کے زخمیوں پر مشتمل تھیں۔ کویت کے ہفتہ وار "المجتمع" نے خصوصی نمبر نکالا۔ الغرض جمعیتِ اصلاح نے ہفتۂ افغانستان کے نام سے مختلف قسم کی سرگرمیوں کا انتظام کیا۔

ایمرجنسی کے باوجود یہ سب کچھ اس کے باوجود ہوا کہ کویت کے اندر ان دنوں ایمرجنسی لگی ہوئی تھی اور کوئی عوامی تقریب نہیں منعقد ہو سکتی تھی۔ اگر ایمرجنسی نہ ہوتی تو ہفتۂ افغانستان کی

اقوامِ اسلامیہ کی تقریبات کا سلسلہ وسیع بھی ہوتا اور طویل بھی۔ اس میں مختلف پہلوؤں سے اسلامی تحریکوں کے کارنامے اور حالات پیش کیے جاتے، مگر حالات کی نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے جمعیت والوں نے سارے پروگرام کو سکیڑ دیا۔

کویت کا بحرانِ سہ گونہ

کویت دیگر عرب ممالک کی نسبت بڑا باحوصلہ اور زندہ دل ملک ہے۔ دیگر ممالک میں جو غیر معمولی گھٹن پائی جاتی ہے کویت بڑی حد تک اس سے محفوظ ہے۔ البتہ کویت جس کی اصل آبادی ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ نہیں ہے، ان دنوں تین سخت بحرانوں سے دوچار ہے:

تجارتی جمود اور معاشرتی پیچیدگیاں

ایک یہ کہ ایران و عراق کی جنگ نے اس پر غیر معمولی اثر ڈالا ہے۔ جنگ سے پہلے اس کے تجارتی تعلقات ایران، عراق اور خلیج کے دوسرے ممالک سے وسیع پیمانے پر تھے جو تقریباً منقطع ہو چکے ہیں۔ کویت محض اپنی محدود آبادی کے بل بوتے پر تجارت میں وسعت و رونق اختیار نہیں کر سکتا۔ تجارتی جمود کے ساتھ ایران عراق جنگ نے یہاں سیاسی اور معاشرتی پیچیدگیاں بھی پیدا کر رکھی ہیں۔

کاغذی کھیل کا غبارہ

دوسرے یہ کہ ۱۹۸۳ء کے آخر میں کویت کی حصص مارکیٹ شدید حادثے کا شکار ہو گئی۔ اس کی تفصیلات عالمی پریس میں آ چکی ہیں۔ یہ حادثہ کویت میں "سوق المناخ" کے عنوان سے مشہور ہے۔ کویت پر اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کی بارش ایک عرصہ سے ہو رہی تھی۔ پٹرول کی دولت سے کویتی عوام بھرپور طور پر محظوظ ہو رہے تھے۔ اس کے باوجود کویت کے بعض دُنیا پرست تاجروں اور کاروباری لوگوں نے کاغذی کمپنیاں کھول کر ان کے حصّے فروخت کرنے شروع کر دیئے۔ بڑے بڑے تاجر تو اس میں ملوّث تھے ہی، عام باشندوں کی ایک تعداد بھی اہلِ دُنیا کی تقلید کرتے ہوئے راتوں رات لکھ پتی بننے کے شوق میں حصص مارکیٹ میں کُود پڑی۔ تین سال تک یہ مارکیٹ بڑے عروج پر رہی، لیکن یہ صرف "کاغذی کھیل" تھا، اس کے غبارے سے ہوا اُسی وقت نکلی جب ایک شخص نے حصص مارکیٹ کی طرف سے جاری شدہ نوّے ملین کویتی دینار کا ایک بنک ڈرافٹ کیش کروا لیا۔ یوں حصص مارکیٹ کی ہوا اُکھڑ گئی اور آن کی آن میں دولت کے کاغذی قلعے زمین بوس ہو گئے۔

اور "وجعلنا عالیھا سافلھا" کا خوفناک منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا۔

کویت کی اسلامی تحریک اس کاروبار پر شروع سے تنقید کر رہی تھی، مگر دولت کے پجاری اس تنقید پر کان دھرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام پسند تاجروں کو اس فتنے سے بچا لیا اور جن بڑے بڑے تاجروں نے اسلام کی آواز پر کان نہ دھرا وہ افلاک سے خاک پر آ گرے۔

بازارِ "المناخ" سوق المناخ کئی منزلہ عمارت کا نام ہے۔ نیچے پارکنگ ہے اور اُوپر دفاتر ہیں۔ اس کی اکثر و بیشتر دکانیں مختلف حصص کمپنیوں نے کرائے پر لے رکھی تھیں۔ ایامِ عروج میں ان دکانوں کی اہمیت اس قدر تھی کہ ایک دکان حاصل کرنے کے لیے ایک کویتی تاجر نے دکان کے مالک کو ۲ ملین کویتی دینار پگڑی (حقُ الخلوّ) کے دیئے۔ پاکستانی کرنسی کے حساب سے یہ رقم آٹھ کروڑ روپے بنتی ہے۔ پھر دکان حاصل کرنے کی خوشی میں اسی تاجر نے دکان میں ۸۰ ہزار دینار کا عُود جلایا۔ ۱۹۸۲ء میں خاکسار نے جب سُوق المناخ دیکھا تھا تو جُوتے اور سٹے کی چکاچوند سے یہ عمارت آنکھوں کو چندھیا رہی تھی، مگر اب وہاں سے گزر ہوتا ہے تو ایک اُجاڑ اور منحوس اور قابلِ نفرین فضا استقبال کرتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بیرونی قوتوں کی تخریب کاری تیسرا بحران کویت کے اندر بعض بیرونی طاقتوں کی تخریب کاری کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ پچھلے دنوں کویت میں بعض بیرونی تنظیموں نے دھماکے کیے ہیں۔ کویت کی محدود سی دُنیا میں یہ دھماکے شدّت کے ساتھ محسوس کیے گئے اور کویت کی سیاسی اور معاشی زندگی پر اُن کا نمایاں اثر پڑا ہے۔

تہذیبی تغیّر کی لہریں ان بحرانوں سے قطع نظر کویت میں وسیع پیمانے پر تہذیبی تغیّر کی لہریں اُٹھ رہی ہیں۔ راقم نے چھٹے عشرے کے آغاز میں جب کویت کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا تو کویتی عوام کا رُخ مادہ پرستی کی طرف تھا۔ ساتویں عشرے کے وسط تک یہ مادہ پرستی، دوسرے لفظوں میں یہ بے راہ روی، آخری حدوں کو چھونے لگی۔ مسجدیں بے آباد ہو گئی تھیں۔ اسلامی تعلیم پر زوال آ گیا تھا، صرف چند بزرگ ایسے رہ گئے تھے جو اپنی نحیف و نزار

آواز کے ساتھ قوم کو اصلاح کی طرف بلا رہے تھے۔ شیخ یوسف القناعی مرحوم، شیخ عبدالرزاق الصالح مرحوم، شیخ محمد الخضری مرحوم اور شیخ عبدالعزیز المطوّع اور ان کے بھائی عبداللہ العلی المطوّع وغیرہم۔ پھر جمعیۃ الارشاد الاسلامی کے نام سے ایک مختصر سی تنظیم بھی قائم کی گئی جس کی طرف سے "ارشاد الاسلامی" کے نام سے ماہانہ رسالہ اور اسی نام سے ایک دینی اسکول قائم کیا گیا۔ بعد میں یہی جمعیت ایک اور نام اختیار کر گئی، یعنی جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی۔ اس نام کی نئی جمعیۃ کے روح رواں کویت کی ایک نامور شخصیت، جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، جناب عبداللہ علی المطوّع تھے۔ مادہ پرستی اور مغربیت نوازی کے سمندر میں اسلام کی یہ محدود آواز جاری رہی۔ اس آواز نے وہاں اسلامی تحریک کی داغ بیل ڈالی، چنانچہ اسلامی تحریک کی شب و روز محنت اور غیر معمولی منصوبہ بندی کی بدولت حالات کا پانسہ پلٹنے لگ گیا۔

پہلے رُخ کدھر تھا

ایک وہ زمانہ تھا جب نوجوان نسل مغربی تہذیب کے پیچھے سرپٹ دوڑ رہی تھی، دولت کی بہتات نے اُس کے اندر اسلامی اقدار اور تاریخی روایات کے خلاف جذبات مشتعل کر دیے تھے۔ لڑکوں کے اندر ہپیوں کا ذوق پیدا ہو چکا تھا اور لڑکیوں نے حجاب اُتار کر نیم عریاں لباس پہن لیے تھے اور جدید سے جدید تر کی تلاش میں سرگرداں نظر آ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ بعض لوگ فخر سے یہ کہنے لگے تھے کہ کویت یورپ کا ایک حصہ بن رہا ہے۔

تبدیلی

اب حالات یہ ہیں کہ یہی نوجوان لڑکے اور لڑکیاں دین کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ کویت کی مسجدوں میں جائیں تو اکثریت نوجوان نمازیوں پر مشتمل ملے گی۔ کویت یونیورسٹی میں سٹوڈنٹس یونین پر اسلام پسند طلبا کا غلبہ ہے اور وہی غیر معمولی اکثریت کے ساتھ انتخابات جیت رہے ہیں۔ اُونچے اُونچے گھرانوں کے لڑکے باریش اور لڑکیاں باحجاب نظر آئیں گی۔ کویت کے نامور اور جذبہ انگیز خطباء کی مسجدوں میں جمعہ کے دن جو ہجوم ہوتا ہے وہ اسلامی شوکت کا ایک ایمان افروز منظر پیدا کر دیتا ہے۔ ان نامور خطباء میں شیخ احمد القطّان، شیخ جاسم المھلھل، شیخ محمد العوضی وغیرہم سرِفہرست ہیں۔ یہ لوگ اس وقت کویت کی نوجوان

نسل کا مرجع بن چکے ہیں۔ ان کی مسجدیں نوجوانوں سے اس قدر بھر جائیں گی کہ مسجدوں کے باہر سڑکوں پر صفیں بنانے کی نوبت آئے گی۔ مسجدوں کے ایک حصے میں لڑکیوں کے لیے بھی باپردہ نماز کا انتظام ہوگا، ان کی حاضری بھی کثرت سے ہوتی ہے۔

اسلامی لٹریچر کویت کے مکتبوں میں اسلامی لٹریچر بافراط ملے گا جو اس امر کی دلیل ہے کہ اسلامی لٹریچر کے لیے مانگ پائی جاتی ہے۔ جمعیت اصلاح اجتماعی کی طرف سے ہر سال رمضان شریف میں کتابوں کی نمائش کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں عالمِ عرب کے مختلف مکتبے حصہ لیتے ہیں۔ اس موقع پر کویتی نوجوان اسلامی لٹریچر کی بڑی وسیع پیمانے پر خریداری کرتے ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، امام حسن البناؒ، سید قطبؒ، محمد قطبؒ، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مرحوم، ڈاکٹر عبدالکریم زیدان، انورالجندی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ڈاکٹر عمر الاشقر، عمادالدین خلیل، محمد صادق العرجون، سعید حوی، ڈاکٹر عبدالکریم زیدان اور عہدِ حاضر کے دیگر اسلامی مفکّرین کی کتابیں نوجوانوں کی دلچسپی کا مرکز ہوں گی۔ اسلامی دعوت، اسلام کے معاشی نظام، اسلامی تاریخ، سیرتِ رسولؐ، سیرتِ صحابہؓ، سیرتِ تابعین، سیرتِ محدّثین و ائمہ، عقائد، اخلاق، اسلامی معاشرت، جدید مسائل و افکار اور جدید اسلامی تحریکوں کے موضوعات پر مشتمل کتابوں کے انبار ملیں گے اور ساتھ ہی قدیم اسلامی لٹریچر جو تفسیر و حدیث اور فقہ و تاریخ کے موضوعات پر مشتمل ہے، نئی تحقیقات کے ساتھ طبع ہو کر آرہا ہے۔ مسجدوں کی الماریوں میں اسلامی لٹریچر رکھا ہوتا ہے اور مسجدوں کی طرف رجوع کرنے والے نوجوان مسجدوں میں بیٹھ کر اس کا مطالعہ کرتے ہیں نیز مسجدوں کے اندر بچوں اور بڑوں سب کے لیے قرآنِ کریم کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ سکولوں اور کالجوں میں رخصت کے ایام میں نوجوانوں کے مختلف گروپ تربیتی کیمپ لگا لیتے ہیں۔ یہ کیمپ بالعموم صحرا میں لگائے جاتے ہیں اور ہفتہ ہفتہ لگے رہتے ہیں۔ ان کیمپوں کو یہ لوگ جفاکشی کی تربیت اور روحانی و اخلاقی اصلاح کا ذریعہ بناتے ہیں۔

کویت کی صحافت کویت کی یومیہ صحافت کا حال بہت دگرگوں ہے۔ اس صحافت پر بالعموم قوم پرستوں اور مغرب زدہ عناصر کا قبضہ ہے۔ کویت کے روزنامے یہ ہیں:

۱۔ القبس ۔ یہ روزنامہ نسبتاً اسلامی اقدار کی پابندی کرتا ہے اور اپنے چند صفحات اسلامی مضامین کے لیے مخصوص رکھتا ہے۔

۲۔ الوطن ۔ اس پر بائیں بازو اور قوم پرست رجحانات کا غلبہ نظر آتا ہے۔ جمعہ کے روز اسلامی مضامین بھی چھپ جاتے ہیں۔

۳۔ الانباء ۔ یہ بھی آزادروی کا قائل ہے اس میں بھی ہفتے میں دو روز اسلامی صفحات ملتے ہیں۔

۴۔ الرأی العام ۔ اس کا نہج بھی الوطن سے ملتا ہے۔

۵۔ السیاسۃ ۔ اس پر دائیں بازو کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔

دو روزنامے انگریزی میں ہیں۔ ایک کویت ٹائمز اور دوسرا عرب ٹائمز۔ دونوں کی پالیسی پاکستان کے "دی مسلم" اور "پاکستان ٹائمز" سے ملتی جلتی ہے۔

ہفت روزوں میں النَّہضَۃ اور الیقَظَۃ مغربی تہذیب اور لبرلزم کی عکاسی کرتے ہیں ہفتہ روزہ المجتمَع اور ہفتہ روزہ البلاغ اسلامی نظریات اور اسلامی تحریکات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ الوعیٌ الاسلامی ماہنامہ ہے اور وزارتِ اوقاف کی طرف سے نکلتا ہے۔ اس کے مضامین متنوّع اور دلچسپ ہوتے ہیں۔ آرٹ پیپر پر چھپتا ہے۔ ہر پرچے میں مسلمان ممالک میں سے کسی مسلمان ملک یا مسلمانوں کے مسائل میں سے کسی ایک مسئلے پر تحقیقی مواد ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں وزارتِ اطلاعات کی طرف سے العربی کے نام سے ایک ماہانہ مجلہ ۱۵۔۲۰ سال سے نکل رہا ہے۔ یہ ادب و تاریخ اور فکر و فلسفہ اور سیاست و معاشرت سے متعلق نہایت قیمتی اور ٹھوس مواد پیش کرتا ہے۔ اس کی اشاعت لاکھوں سے متجاوز ہے۔ عالمِ عرب کے اونچے اہلِ قلم کی نگارشات اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس کے سابق رئیس التحریر ڈاکٹر زکی مبارک چونکہ ایک آزاد خیال اور جدید نظریات سے متاثر انسان تھے اس لیے ان کے دَور میں اس مجلّے کی شہرت یہ تھی کہ اسلامی افکار کو مسخ کر کے پیش کرتا ہے اور نوجوان نسل کو ہر میدان میں لبرل ازم کی تعلیم دیتا ہے۔ عرب نوجوانوں کے اندر اس مجلّے نے کافی عرصہ سے اپنا سکہ جما رکھا ہے۔

اور بھی متعدد ماہنامے کویت سے نکلتے ہیں۔ کویت یونیورسٹی کے مختلف شعبے علم و تحقیق کے شلہ پاروں پر مبنی مجلات نکال رہے ہیں۔ کویت کا یہ علمی و فکری پہلو بھی تمام عرب ممالک کی نسبت امتیازی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ (باقی)

بحث و نظر

جناب خالد اسحٰق صاحب کے استدلال کا جواب

بہ سلسلہ قصاص و دِیَت

جناب مولانا عبد الوکیل صاحب علوی

محترم جناب خالد اسحاق صاحب نے اپنے ایک تحریری بیان میں عورت کے قصاص اور دیت پر اظہارِ خیال فرماتے ہوئے اس طرح کی رائے قائم کی ہے کہ شریعتِ اسلامی میں مرد و زن کی دیت ہر صورت میں مساوی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اجماعِ اُمت اور تعامل کو نظر انداز کرتے ہوئے دو اصحاب کی انفرادی رائے کو معیار بنایا ہے۔ اِن حضرات کی آراء صائب ثابت کرنے کے لیے موصوف نے احادیث کی تیسرے چوتھے درجے کی کتابوں سے چند احادیث بھی نقل کی ہیں اور قرآن مجید کی چند آیات سے، اُن کے حقیقی مفہوم و مدّعا سے ہٹ کر اس نظریہ کی تائید پیش کرنے کی سعی فرمائی ہے۔

یہ دو حضرات ابوبکر الاصم اور ابن عطیہ یا ابن علیہ ہیں جنہوں نے یہ رائے دی ہے کہ مرد و زن دونوں کی دیت ہر صورت میں مساوی ہے۔ اسی نظریہ کو پھر بعد میں مصر کے مشہور عالم و سکالر ابو زہرہ نے دہرایا ہے اور کہا ہے کہ اس پہ غور کیا جانا چاہیے۔ پھر اس رائے کو علی منصور نے اختیار کیا ہے۔ اس کے بعد اِکّا دُکّا حضرات نے جو اظہار رائے فرمایا ہے تو ان کا سرمایۂ استدلال یہی ہے کہ اصم اور ابن علیہ یا عطیہ نے یہ کہا ہے۔

یہ دو حضرات کون ہیں اور ان کا مقام و مرتبہ کیا ہے ان کی رائے کا اُمتِ مسلمہ میں کیا وزن ہے۔ اور ان کی رائے کے پیچھے کون سے دلائل شرعیہ ہیں، کتاب و سنّت میں ان کی رائے کی تائید موجود ہے یا محض عقلی دلائل پر ان کا انحصار ہے اور پھر ان عقلی دلائل میں کتنا وزن ہے اسے اُمتِ مسلمہ نے درخورِ اعتنا سمجھا بھی ہے یا نہیں۔

الاصم جن کا پورا نام عقبہ بن عبداللہ الاصم الرفاعی العبدی البصری ہے ان کے بارے

میں علماء ناقدین نے اچھی رائے قائم نہیں کی ہے۔ مثلاً

عبداللہ بن احمد کا بیان ہے کہ میرے والد یعنی امام احمد بن حنبل سے عتبہ بن عبداللہ یعنی الاصم کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ اغنوی میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ابن معین کہتے ہیں لیس بثقۃ "یہ ثقہ نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے لیس بشئ" یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ابوحاتم نے اسے لین الحدیث، لیس بقوی قرار دیا ہے۔

عمرو بن علی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے، نسائی نے لیس بثقۃ کہا ہے۔

ابن حبان نے اصم کا ذکر ضعفاء میں کیا ہے، اور کہا ہے کہ مشاہیر سے مناکیر روایت کرتا ہے ابوبکر البزار نے عقبہ اور طلحہ بن عمرو دونوں کو غیر حافظین قرار دیا ہے۔

(تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی جلد ۷ ص ۲۴۵-۲۴۴ عقبہ بن عبداللہ الاصم کے تحت)

لسان المیزان جلد ۳ ص ۴۲۷ پر ابوبکر اصم جس کا اصل نام عبداللہ بن کیسان بیان کیا گیا ہے، کے متعلق لکھا ہے کہ وہ معتزلی تھا اس کا ذکر معتزلہ کے طبقات میں آیا ہے۔ اس نے جو تفسیر لکھی ہے اسے عجیب تفسیر قرار دیا گیا ہے۔ امام شافعیؒ نے اسے ضال اور اضل الناس کہا ہے۔

بہر حال عبدالرحمٰن بن کیسان ہو یا عقبہ بن عبداللہ دونوں کے بارے میں محققین علمائے امت کی آراء اچھی نہیں ہیں۔

جن حضرات کی حیثیت اور پوزیشن ناقدین حدیث کے نزدیک ایسی ہو جیسی کہ متذکرہ سطور میں بیان کی گئی ہے تو ان کی انفرادی رائے کو سند ماننا صاحب دانش و بینش حضرات کے لیے عجیب سی بات ہے۔ ظاہر بات ہے امت کی اکثریت کی رائے اور تعامل اس بات کا متقاضی ہے کہ اسے قابل ترجیح مانا جائے نا کہ نہایت اقلیت ترین رائے کو اکثریت پر مرجح قرار دیا جائے ان کے یہ ذہن کہ دور جدید کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر اس میں تبدیلی لائی جائے تو یہ ایسی بچگانہ سی بات ہے جس کی پشت پر محض رائے زنی کام کرتی نظر آرہی ہے۔ ورنہ ہر دور کا انسان جب چاہے کسی مسلمہ مسئلہ پر "دور جدید کے تقاضے" کا لیبل چسپاں کر کے نقطہ آفرینی فرما سکتا ہے۔ اس طرح شریعت اسلامی کے بازیچۂ اطفال بن کر رہ جانے کا قوی اندیشہ ہے۔

رہا نئے پیدا شدہ مسائل کا انطباق، تو اس سلسلے میں شریعت نہ صرف اجازت دیتی

ہے بلکہ ہمت افزائی کرتی ہے۔ اور ان ماہرین علماء پر ذمہ داری ڈالتی ہے جو ہمہ پہلو قدیم و جدید مسائل پر گہری بصیرت افروز نگاہ رکھتے ہوں، ان کے علل و وجوہ اور اسباب پر پوری نظر رکھتے ہوں بلکہ آگے بڑھ کر نئے پیدا شدہ مسائل کا حل کتاب وسنّت کی روشنی میں نکالیں اور قوم کی صحیح رہنمائی کریں۔

کسی قوی اور ٹھوس بنیاد و دلیل کے بغیر محض اندھی تقلید کے سہارے مکھی پر مکھی مارنا دانش مندانہ اور عقلمندانہ اقدام تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس عمل سے قوم میں جمود اور بے حسی پیدا ہوتی ہے۔ ارتقائی عمل رُک جاتا ہے۔ اور قوم دیگر اقوام کے مقابلے میں میدانِ ترقی میں بہت پیچھے رہ جاتی ہے اور یہ حالت قوم کے زوال و انحطاط کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

اِن چند بنیادی اشارات کے بعد اب ہم جناب خالد اسحاق صاحب کی محولہ عبارات پر نظر ڈالتے ہیں کہ ان کا حقیقی مفہوم کیا ہے اور محترم موصوف نے ان کا کیا مفہوم متعین کیا ہے۔ پہلے ہم ان روایات کو اصل محولہ کتب سے نقل کریں گے، ساتھ اس کا ترجمہ دیں گے، پھر اس سے جو مفہوم و نتیجہ اخذ ہوتا ہے اور متقدمین محدثین نے اخذ کیا ہے، اُسے نقل کریں گے۔ پھر قارئین سے استدعا کریں گے کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ اصل صورت مسئلہ کیا ہے۔

پہلے ہم "المصنف" عبدالرزاق کو لیتے ہیں۔

المصنف جلد ۹ ص ۴۵۰ پر باب المرأۃ تقتل بالرجل ہے۔ جناب خالد اسحٰق صاحب نے اسی باب کے تحت مرقوم روایات کا حوالہ دیا ہے۔

۱۔ حدیث نمبر ۱۷۹۷۹۔ عبدالرزاق عن الثوری عن حماد عن ابراھیم عن علی قال:

ما کان بین الرجل والمرأۃ ففیہ القصاص من جراحات او قتل النفس او غیرھا اذا کان عمداً۔

"عورت اور مرد کے مابین جراحات یا قتلِ نفس وغیرہ کی صورت میں قصاص ہے بشرطیکہ اسے عمداً کیا گیا ہو۔"

۲ــــ حدیث نمبر ۱۷۹۸۰ = عبدالرزاق عن ابن جریج قال اخبرنی ابن ابی نجیح عن مجاھد عن علی ان بینھما ستۃ الاف -

" حضرت علی سے مجاہد بیان کرتے ہیں کہ دونوں کے درمیان چھ ہزار ہے"۔

۳ــــ حدیث نمبر ۱۷۹۸۱ = عبد الرزاق عن الثوری عن مغیرۃ عن ابراھیم قال: القصاص بین الرجال و النساء فی العمد وقال جابر عن الشعبی -

" قتل عمد کی صورت میں مردوں اور عورتوں کے درمیان قصاص ہے"۔

۴ــــ حدیث نمبر ۱۷۹۷۳ = عبد الرزاق عن ابن جریج عن عطاء قال: المرأۃ تقتل بالرجل لیس بینھما فضل و عمرو

" عورت مرد کے بدلے میں قتل کی جائے گی۔ دونوں کے درمیان کوئی فضل و امتیاز نہیں"۔ عمرو کی بھی یہی رائے ہے۔

۵ــــ حدیث نمبر ۱۷۹۷۵ = عبدالرزاق عن معمر عن قتادۃ - ان عمر بن الخطاب قتل رجلا بامرأۃ -

" حضرت عمر بن خطابؓ نے عورت کے بدلے ایک مرد کو (قصاص میں) قتل کیا -

۶ــــ حدیث نمبر ۱۷۹۷۷ = عبدالرزاق عن الثوری عن مغیرۃ عن ابراھیم قال لیس بین الرجال والنساء قصاص الا فی النفس ولا بین الاحرار والعبید قصاص الا فی النفس -

" مردوں اور عورتوں کے درمیان قتل نفس کی صورت میں قصاص ہے (اسی طرح) آزاد مردوں اور غلاموں کے درمیان قتلِ نفس کی صورت میں قصاص ہے -

۷ــــ حدیث نمبر ۱۷۹۸۲ = عبدالرزاق عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم قال لیس بین الرجال والنساء قصاص الا فی النفس ولا بین الاحرار والعبید قصاص الا فی النفس -

" مردوں اور عورتوں کے مابین نہیں ہے قصاص مگر قتلِ نفس کی صورت میں اور اور آزاد مردوں اور غلاموں کے درمیان نہیں ہے قصاص مگر قتل نفس کی صورت میں"۔

متذکرہ بالا جملہ روایات میں قصاص مابین مرد و عورت اور آزاد مرد و غلام بیان ہوا ہے -

جہاں تک قصاص کا تعلق ہے اس میں بلا کسی اختلاف رائے سب کا اتفاق ہے کہ مرد و عورت قصاص میں برابر و مساوی ہیں ۔ جب کہ قتل عمد ہوا ہو ۔ قتلِ عمد میں اگر مقتول کے ورثا قاتل کو قصاص معاف کر دیں اور دیت پر رضامند ہو جائیں تو یہ قابلِ راضی نامہ ہے اور اس صورت میں مرد و عورت کی دیت مساوی بھی ہو سکتی ہے ۔

اختلاف تو شبہ عمد اور قتلِ خطا میں ہے کہ ایسی صورت میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہوگی ۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی جس روایت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یہ ہے ۔

المسلمون تتکافؤ دماءھم (ترجمہ) سب مسلمانوں کے خون مساوی ہیں ۔

اس میں بھی قتل کا ضابطہ و اصول بیان ہوا ہے کہ جب ایک مسلمان مرد یا مسلمان عورت کو عمداً قتل کر دے گا تو اس صورت میں قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا ، خواہ قاتل و مقتول کے درمیان صنفی تفاوت ہو یا معاشرتی بزرگی و شرافت کا یا دنیاوی جاہ و حشمت کا فرق ہو ۔ بلا امتیاز و قید قاتل کو قتل کیا جائے گا ۔ کسی کو قصاص کی حد سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا ۔

دوسری روایت جس میں ہر مومن نفس کی دیت سو اونٹ بیان کی گئی ہے اس میں بھی دیت کا ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ جب قاتل کو مقتول کے ورثاء قصاص معاف کر دیں اور دیت پر راضی ہو جائیں تو بایں صورت سو اونٹ دیت ہے ۔

اب آیئے دوسری کتابوں کی محولہ عبارات کی طرف ۔

ا ۔ بدائع الصنائع جلد ۷ ص ۲۵۴ پر عبارت ہے :

وان کان انثی فدیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل لاجماع الصحابۃ رضی اللہ عنہم فانہ روی عن سیدنا عمر وسیدنا علی و ابن مسعود و زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم انہم قالوا فی دیۃ المرأۃ انہا علی النصف من دیۃ الرجل ولم ینقل انہ انکر علیہم احد فیکون اجماعا ولان المرأۃ فی میراثہا وشہادتہا علی النصف من الرجل فکذالک فی دیتہا..... الخ

" پس عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں نصف ہے۔ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ اس لیے کہ حضرات سیدنا عمرؓ، سیدنا علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت کا قول ہے کہ عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں نصف ہے یہ بات کہیں منقول نہیں کہ کسی ایک فرد نے بھی ان کی رائے سے انکار کیا ہو۔ لہٰذا یہ اجماع ہوا۔ دلیل یہ ہے کہ عورت کو میراث بھی مرد کے مقابلے میں نصف ملتی ہے۔ اور نصاب شہادت میں بھی ایک مرد کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد دو معتبر ہے، اسی طرح دیت میں بھی نصف کی حقدار ہے۔"

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۱۲ پر ہے:۔

ان یکون المجنی علیہ ذکراً فان کان انثی فعلیہ دیۃ الانثی و ھو نصف دیۃ الذکر سواء کان الجانی ذکرا او انثی لاجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم علیٰ ذٰلک وھو تنصیف دیۃ الانثی من دیۃ الذکر علی ما ذکرنا فی دیۃ النفس۔

"پس اگر وہ مؤنث ہو تو اس پر تانیث کی دیت ہے جو مذکر کے مقابلے میں نصف ہے، خواہ مجرم مذکر ہو یا مؤنث۔ اس لیے کہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ مؤنث کی دیت مذکر کے مقابلے میں آدھی ہے جیسا کہ ہم دیتِ نفس میں اسے بیان کر آئے ہیں۔"

المبسوط جلد ۲۶ ص ۷۹ پر ہے:۔

وبلغنا عن علی انہ قال فی دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل فی النفس وما دونھا وبہ ناخذ الخ

" حضرت علیؓ سے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ عورت کی دیت مرد کے مقابلے نصف ہے اور اسی رائے کو ہم نے اختیار کیا ہے۔"

قلت اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن جریر عن مغیرۃ عن ابراھیم عن شریح قال اتانی عروۃ البارقی من عند عمر ان جراحات الرجال والنساء تستوی فی السن والموضحۃ وما فوق ذالک فان المرأۃ

علی النصف من دیۃ الرجل (الجوھر النقی لابن الترکمانی بحوالہ بیہقی کبیر جلد ۸
ص ۹۶)

قاضی شریحؒ کا بیان ہے کہ :-

حضرت عمرؓ کے پاس سے عروہ بارقی ہمارے پاس یہ پیغام لے کر آئے کہ حضرت عمرؓ مردوں اور عورتوں کے جراحات دانت اور موضحہ یا اس سے کم وبیش، سب برابر ہیں اور عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں نصف ہے ۔

ابوبکر الاصم اور ابن عطیہ یا ابن علیہ کا قول کہ مرد وزن دونوں کی دیت مساوی ہے ۔ اس سے مقصود اگر ان کا یہ ہے کہ قتل عمد میں دونوں کی دیت مساوی ہے پھر تو ان کی رائے صائب ہے، بصورت دیگر اگر ان کی مراد قتل خطا اور شبہ عمد کی دیت میں برابری ہے تو پھر ان کی رائے جمہور اہل علم کی رائے اور تعامل اور اجماع صحابہؓ کے خلاف ہے ۔ کیونکہ دور صحابہؓ کرام سے لے کر دور حاضر تک تمام ادوار اور تمام ممالک اسلامیہ میں بغیر کسی انقطاع کے تسلسل کے ساتھ یہ مسلمہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قتل خطا میں عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں نصف ہے ۔ اس رائے پر تمام ائمہ بشمول ائمہ اربعہ سب کا اتفاق ہے ۔

جدید دور کے بعض حضرات کا یہ رائے دینا کہ مرد و عورت کی دیت برابر ہونی چاہیے ، مسلمہ و متفقہ مسائل میں ایسی انفرادی رائے کا کوئی وزن نہیں جس کی پشت پر کتاب و سنت اور تعامل و اجماع نہ ہو ۔ ایسی رائے کے اظہار پر اصرار سے اُمت مسلمہ کو کوئی فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے البتہ مغرب زدگی کے مریض حضرات کی ہمت افزائی ضرور ہوگی جنہیں علم حقیقی سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔[1]

---

[1] بات "دیت" میں مساوات پر ہی رکنے کی نہیں ، جدید عورتوں نے جو تحریک آزادی و مساوات چلا رکھی ہے وہ اس وقت تک مقصود حاصل نہیں کر سکتی ۔ جب تک قانون حجاب کی طرح شریعت کے ہر تقاضے کو اتنا مجروح نہ کر دیا جائے کہ اس کے بعد بس "سیکولرازم" رہ جائے ، جس کی سڑک پر چل کر آج کی مغربی عورت ذلت و خواری تک پہنچی ہے ۔ (مدیر)

قابلِ غور پہلو یہ بھی ہے کہ صحابہ کرامؓ بلکہ خلفائے راشدین کے مقابلے میں ان حضرات کی رائے کو قابلِ ترجیح قرار دینا جن پر ناقدینِ حدیث ائمہ جرح و تعدیل نے سخت نقد و جرح کی ہے، قابلِ افسوس بات ہے۔ کیا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست فیض یاب ہونے والوں کی رائے زیادہ وزنی، ثقہ اور قابلِ ترجیح ہے یا بہت بعد کے دور کے حضرات کی۔ خلفائے راشدین میں سے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا فیصلہ کہ قتل خطا میں عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں آدھی ہے، محض ان دونوں کا فیصلہ نہیں کسی صحابی کا اس پر اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ ہے۔

ان حضرات کی رائے کی تائید میں قرآن پاک کی جن آیات کو بطور استشہاد پیش کیا گیا ہے انہیں بھی ایک نظر سے دیکھتے چلیں۔

۱۔ سورۃ نساء، آیت نمبر ۹۲۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِـيْمًا ۝

"کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسرے مومن کو قتل کرے الا یہ کہ اس سے چوک ہو جائے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے۔ الا یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں۔ لیکن اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہو تو اس کا کفارہ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے اور اگر وہ کسی ایسی غیر مسلم قوم کا فرد تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا۔ اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہو گا۔ پھر جو غلام نہ پائے وہ پے در پے دو مہینے کے روزے

رکھے۔ یہ اس گناہ پر اللہ سے توبہ کرنے کا طریقہ ہے اور اللہ علیم و دانا ہے"۔

اس آیت میں مجمل بیان ہے اس کی تفصیل کہ مرد کی دیت کیا ہے اور عورت کی کیا وہ احادیث میں مذکور ہے کہ قتل خطا کی صورت میں مرد کی دیت سو اونٹ اور عورت کی دیت پچاس اونٹ ہے۔

سورۃ بقرۃ آیت ۷۸۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت قتل کی جائے گی (قصاص میں) ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لیے تیار ہو تو معروف طریقے کے مطابق خون بہا کا تصفیہ ہونا چاہیے اور قاتل کو لازم ہے کہ راستی کے ساتھ خون بہا ادا کرے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ اس پر بھی جو زیادتی کرے، اس کے لیے دردناک سزا ہے"۔

اس آیت میں قصاص کا ذکر ہے اور وہ قتل عمد کی صورت میں ہوتا ہے۔ بایں صورت یعنی قتل عمد میں مرد و عورت دونوں قصاص میں مساوی ہیں۔ اگر قاتل کو مقتول کے ورثا قصاص معاف کر دیں تو دوسری شکل میں دیت دینا ہوگی۔ البتہ اگر مقتول کے ورثا دیت بھی معاف کرنا چاہیں تو وہ اس کے بھی مجاز ہیں۔ اور یہ مقدمہ قابل راضی نامہ ہے۔ گویا اس آیت میں بھی قتل خطا کا ذکر نہیں جس کی دیت مرد کے مقابلے میں عورت کی آدھی ہے۔

اسی طرح سورۃ مائدہ آیت ۴۵ -

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ الخ -

توراۃ میں ہم نے یہودیوں پر لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کے لیے برابر کا بدلہ -

اس آیت سے بھی قصاص کا ضابطہ واضح ہوتا ہے نا کہ قتلِ خطا کی صورت میں دیت کا - بہرحال کتاب وسنت، اجماع صحابہ کرام اور تعامل اُمت اس بات کے ناقابلِ تردید ثبوت ہیں - ان سے پہلوتہی ایک سلیم العقل، سلیم الدماغ اور سلیم الفکر آدمی کے لیے قابلِ افسوس بات ہے -

یہ مسئلہ ہرگز ایسا نہیں ہے کہ اس کے ثبوت میں کتاب وسنّت خاموش ہوں اور ان سے واضح رہنمائی نہ ملتی ہو کہ آدمی قیاس آرائیاں کرنے بیٹھ جائے - جہاں کتاب وسنّت کی واضح رہنمائی نہ ہو، صحابۂ کرام سے بھی اس کی صاف طور پر مثالیں نہ ملتی ہوں اور اُمت کا تعامل بھی نہ پایا جاتا ہو تو ایسی ناگزیر صورت میں صائب الرائے اہلِ علم وتقویٰ حضرات کی جیورری باہمی مشاورت سے اجتہاد کر کے قابلِ عمل راستہ نکال سکتی ہے - درپیش مسئلہ ایسی صورت نہیں ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہر ایک کے لیے اجتہاد کا دروازہ کھولنے کی کوشش نہ کی جائے -

---

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورت استدلال کے لیے آیات واحادیث شائع ہوتی رہتی ہیں قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات واحادیث ہوں ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے -

(ادارہ)

رسائل و مسائل

چند مسائل زکوٰۃ

شعبہ استفسارات - منصورہ - لاہور

سوال: ا۔ زید اور بکر حقیقی بھائی ہیں۔ زید عیال دار ہے اور بظاہر خوش حال ہے اس نے بکر سے خاص رقم قرض لے کر کاروبار میں لگائی ہے۔ لیکن اُس کے بقول صرف اتنی کمائی ہو رہی ہے کہ جس سے بمشکل گزارہ ہوتا ہے اور سال پہ سال گزر رہے ہیں کہ وہ قرض کی رقم لوٹا نہیں سکا۔ دوسری طرف بکر پہ اسی رقم پہ زکوٰۃ فرض ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا بکر، زکوٰۃ کی ساری رقم بجائے دیگر مستحقین کے صرف زید کو ہی ادا کر سکتا ہے۔

ب۔ بکر کی نیت یہ ہے کہ زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے اور زید کے قرض کی ادائیگی بھی۔ یعنی زید وہی زکوٰۃ کی رقم، عملاً وصول نہ کرے بلکہ محض کاغذی طور پہ بکر اپنے قرض کی وصولی شمار کرے، کیا یہ جائز ہے؟ یا عملاً رقم کی ادائیگی ضروری ہے۔

ج۔ زکوٰۃ کی رقم کی یکمشت ادائیگی ضروری ہے یا اس رقم کو سال کے دوران مختلف خیراتی مدوں میں ادا کیا جا سکتا ہے۔

د۔ ایک صاحب زکوٰۃ کی رقم میں سے تحریک اسلامی کی اعانت فرماتے ہیں۔ کیا عام اعانت کی مد میں زکوٰۃ کی رقم کی ادائیگی جائز ہے یا تحریک اسلامی کے پاس زکوٰۃ کی رقم کو "متعلقہ مد" میں ہی جمع کرانا چاہیے۔

جواب:

ا۔ اگر آپ کے بھائی قرض واپس کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں اور آپ انہیں قرض

کی رقم معاف فرما سکتے ہیں تو معاف فرما دیں تاکہ آپ کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہ ہو اور اگر وہ قرض کی رقم معاف نہیں کر سکتے اور وہ اس قدر رقم کے مالک بھی نہیں ہیں جو بنیادی ضروریات زندگی اور قرض سے فاضل ہو اور مقدار نصاب کو پہنچی ہوئی ہو تو آپ انہیں زکوٰۃ دے کر قرض میں واپس لے لیں اس سلسلہ میں انہیں تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں ہے، اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ یہ رقم وصول کر لیں اور اس سے اپنا قرض ادا کر دیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ قرض کی یہ رقم جب آپ کو واپس ملے اُس وقت آپ اسے وصول کر لیں اور اس میں سے اتنا حصہ جو زکوٰۃ کی مد میں بنتا ہو اپنے بھائی صاحب کو واپس کر دیں اور دل میں نیت یہ رکھیں کہ زکوٰۃ کی رقم اپنے بھائی کو دے رہے ہیں۔ اگر ساری رقم زکوٰۃ کی مد میں ختم ہو جاتی ہو تو ساری رقم واپس کر دیں۔

یہ بھی جائز ہے کہ مقدار زکوٰۃ کے برابر رقم آپ قرض کی وصولی میں ڈال کر اس کی اطلاع بھائی صاحب کو دے دیں کہ میں نے آپ کے ذمہ واجب الادا قرض میں اس قدر کمی کر دی ہے اور معاف کر دیا ہے۔ لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ آپ پہلی دو صورتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کریں تاکہ بالاتفاق آپ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے۔

ب ـــ اپنے بھائی کو زکوٰۃ دینا دوہرے ثواب کا موجب ہے۔ ایک زکوٰۃ کی ادائیگی کا ثواب اور دوسرا صلہ رحمی کا ثواب۔ اس لیے دوسروں کو زکوٰۃ دینے کی نسبت انہیں دے دینا افضل ہے۔

ج ـــ زکوٰۃ کی ادائیگی یکمشت ضروری نہیں ہے۔ آپ زکوٰۃ کی رقم دوسرے مال سے الگ کر کے رکھ دیں اور سال بھر زکوٰۃ کے مختلف مصارف میں دیتے رہیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

د ـــ زکوٰۃ کی ادائیگی کا افضل طریقہ تو یہی ہے کہ مخلصانہ طور پر اقامتِ دین کا کام کرنے والی تحریک اسلامی کے پاس "مدِ زکوٰۃ" میں جمع کرا دی جائے، لیکن اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ کچھ رقم بطور خود دوسرے مستحقینِ زکوٰۃ کی اعانت میں صرف کر دی جائے۔

(مولانا عبدالمالک صاحب)

مطبوعات

اللؤلؤ والمرجان مرتب: جناب محمد فؤاد عبدالباقی - عربی سے ترجمہ: سید شبیر احمد ناشر: اسلامک بک پبلشرز، پوسٹ بکس نمبر ۲۰۲۱، صفات، کویت - پاکستان میں ملنے کا پتہ: البدر پبلیکیشنز، ۲۳ راحت مارکیٹ، اردو بازار لاہور۔

امام مسلمؒ اور امام بخاری کی متفق علیہ احادیث کا یہ مجموعہ اپنے سلسلے کی جلد اول ہے۔ سب سے پہلے تو قابل داد ہے وہ طباعتی معیار جس کے ساتھ یہ مجموعہ لایا گیا ہے ـــ ۱۰۹۶ احادیث کے تراجم کا یہ مجموعہ جو بڑے سائز کے ۵۱۴ صفحات پر مشتمل ہے، نہایت نفیس کاغذ پر برمنگھم (انگلینڈ) میں مسلم پرنٹرز اینڈ بک سیلرز کے اہتمام سے چھپا ہے۔ اور اس کی جلد بندی اور جلد پر سنہری عنوان اور ڈیزائن بہت خوشنما ہے۔

قیمت ۱۲۵ روپے ہے جو کتاب اور اس کے معیار کے لحاظ سے ارزاں معلوم ہوتی ہے، دراصل احادیث کے بڑے بڑے مجموعوں سے تو اہل علم زیادہ کام لیتے ہیں، عام پیروانِ دین کے لیے منتخب احادیث کے مختصر مجموعے زیادہ مفید رہتے ہیں۔ اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر جناب کرامت شیخ (اسلامک بک پبلشرز) نے یہ کتاب پیش کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی بہت قدر افزائی اور پذیرائی ہوگی۔

رحمتِ دارین کے سو شیدائی از جناب طالب ہاشمی۔ ناشر: شعاع ادب، زیر مسلم مسجد چوک انارکلی لاہور۔ (ترجمان القرآن سائز کے) ۷۴۰ صفحات، کاغذ، کتابت، طباعت

اور جلد بندی کا معیار بہت اچھا۔ قیمت ۱۶۰/- روپے جو مروّجہ نرخوں کے لحاظ سے بہت کم ہے۔

جناب طالب ہاشمی کا سینہ اللہ تعالیٰ نے ایمان، جذبہ، خدمتِ دین اور سیرت نگاریِ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے لیے کھول دیا ہے۔ ان کی تحریروں کا علمی و تحقیقی پس منظر مضبوط ہوتا ہے۔ ان کا مطالعہ وسیع ہے، حقائق کی چھان پھٹک پر کمر بستہ اب اچھے صاحبِ تجربہ ہیں، مزید یہ کہ ان کی نگارش میں ایسا جذبۂ والہانہ شامل ہوتا ہے جو اس پر گواہ ہے کہ وہ ایک مصنف ہی نہیں، درِاصل محبتِ رسولؐ و صحابۂ رسولؐ اور دینِ حق کے داعی ہیں۔

اس کتاب کے متعلق مجھے خاص مسرت اس وجہ سے بھی ہے کہ ایک بار ہاشمی صاحب سے میں نے کہا تھا کہ اب ایک کتاب میں ایک سو صحابہؓ کے احوال جمع کریں۔ سو اپنے خیال کا ایک عکس میرے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہاشمی صاحب کی اس پیش کش کو قبول فرمائے۔

مجھے چونکہ کتابوں سے ایسی محبت ہے کہ پڑھتے ہوئے ایک خود فراموشی کا عالم طاری رہتا ہے (ماسوا صریحاً غلط الاساس تحریروں یا فتنہ انگیز نگارشات کے) اس وجہ سے بہت کم توجہ غلطیوں پر گرفت کرنے کی طرف ہوتی ہے۔ اور با اوقات چھوٹی موٹی غلطیوں سے گذر جانے کے بعد انہیں فراموش کر دیتا ہوں۔ بالعموم کسی کام کی مجموعی نوعیت کو دیکھتا ہوں۔

مدینہ میں پہلے جمعہ کا ذکر (ص ۴۰۵) حضرت ابوعبیدہ امین الامت کا یہ نمونہ کہ وہ اقتدار پر آنے کے بعد اپنے فقیرانہ طرزِ بود و ماند میں ذرا بھی تبدیل نہ ہوتے (ص ۴۸-۴۹) عقبہ ثانیہ کے وقت انصار سے حضورؐ کی ملاقات کی شب خاص کی صبح کا نام "یوم النصر الآخر" قرار پانا۔ (ص ۴۰۵) اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے بیان میں غزوہ رمضان ۲ھ میں "ذوالکتیفہ" نامی تلوار کا ذکر ایسی چیزیں ہیں جو مؤلف کی گہری توجہ اور وسیع مطالعہ کی آئینہ دار ہیں۔ یہ چند مثالیں یقیناً کم ہیں مگر مجبوری!

ص ۳۹۲ پر حضرت زاہر بن حرام اشجعی کا ذکر کرتے ہوئے ان کی شکل و صورت کے متعلق

ایک تو بڑی خوبصورت ترکیب "کم رُو" استعمال کی گئی ہے اور مدعا کے لیے یہی کافی تھی)
دوسری ترکیب "حقیر صورت" کی استعمال کی گئی ہے۔ چہرے کے نقوش یا رنگ روپ کی
خرابی کو لفظ "حقیر" سے بیان کرنا کم سے کم ایک صحابی کے متعلق مجھے گراں گذرا۔
اہم بات یہ کہ طالب ہاشمی صاحب صحابہ کرام کے حالات اس انداز سے لکھتے ہیں اور
اتنا مواد جمع کر دیتے ہیں کہ ایک طرف اس وقت کی ساری تاریخ کا نشوونما سامنے آجاتا
ہے، دوسری طرف آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت کے اوراق مرتب ہوتے جاتے ہیں۔
ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی نثر نگاری کے ذریعے اردو کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ خدا ان
کی مساعی کو قبول فرمائے۔

جوامع السیرۃ | تالیف: امام ابن حزم ظاہری۔ مترجم: محمد سردار احمد۔ ضخامت ۲۹۲ صفحات
کاغذ، کتابت، طباعت، جلد بندی، گردپوش پسندیدہ۔ قیمت: -/۳۰ روپے
ملنے کا پتہ:۔ ۱۔ نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب۔ ۲۔ میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب۔ ۳۔ قدیمی
کتب خانہ۔ آرام باغ کراچی۔

امام ابن حزم دینی علوم کی دُنیا میں ایک درخشاں شخصیت کی حیثیت سے معروف عام ہیں۔ وہ
"ظاہری" مسلک کے علمبردار تھے یعنی نصوص کتاب وسنّت کے واضح ظاہری مفہوم سے استدلال
کرتے تھے۔ اُن کے قلم سے نکلی ہوئی یہ کتاب چھٹی صدی ہجری کے بعد کے سیرت نگاروں کے لیے
سیرت نبوی کے علمی مآخذ میں شامل ہے۔ مولانا عبدالقدوس ہاشمی کا پیش لفظ، ڈاکٹر احسان عباس
کا مقدمہ اور مقدمۂ مترجم بجائے خود علمی تحریریں ہیں اور بہت سا سامانِ استفادہ رکھتی ہیں۔ قرآن
کے ساتھ صحیح احادیث کو پیشِ نظر رکھ کر امام ابن حزم نے یہ سیرت مرتب کی ہے اور اصحاب
الحدیث کے مقابلے میں وہ اصحاب السیر کو زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ تاریخوں کے تعین میں امام کا
ایک خاص مسلک ہے۔ مختصر سی اس کتابِ سیرت میں امام موصوف نے نہ صرف جزئی واقعات تک
کو سمیٹا ہے بلکہ حضورؐ کے اسماء وصفات، معجزات اور حج وعمرے، فوجی مہمات، رسول اللہ صلّی اللہ
علیہ وسلّم کے امراء وولاۃ، زمانہ جاہلیت میں دوست، احباب اور محافظ، کاتبینِ وحی، خدام،

موذن، شعراء، قاصد، ازواج مطہرات، اولاد اور ان کے علاوہ سابقون الاولون، مخالفین دشمنانِ اسلام، مہاجرینِ حبشہ کے نام، انصار کے ۱۲ نقبا کے نام، بیعت عقبہ ثانیہ کے شرکاء، ہجرت کی منزلیں، شرکاء و شہدائے بدر اور مشرکینِ مکہ کے مقتولوں اور قیدیوں کے نام غرضیکہ اسی طرح مختلف واقعات اور غزوات کے متعلق ضروری تفاصیل جمع کر دی ہیں۔ اتنی تفاصیل کے باوجود یہ سیرت کی ایک مختصر کتاب (ہینڈ بک) ہے جسے خوبصورت اردو زبان میں ہر مصنف صحافی، استاد، طالبعلم اور محبِ دین اور محبِ رسولؐ عوام بآسانی پڑھ سکتے ہیں۔

RESEARCH IN ISLAM	تالیف: احمد وان ڈینفر (AHMAD VON DENFFER)[1] ناشر: دی اسلامک فاؤنڈیشن ۲۲۳ لنڈن روڈ، لائسسٹر۔ یوکے۔

قیمت درج نہیں۔ یہ مختصر سی انگریزی کتاب (A CONCISE HANDBOOK) اپنے یورپی معیارِ اشاعت کے ساتھ مجھے بہت پسند آئی۔ ہم نے اپنے مشغلہ تحریر کے لیے تحقیقی سسٹم خود ہی ایجاد کیا۔ مگر اب اسے پڑھ کر خیال ہوا کہ کاش کہ اسے دورِ ابتدا میں پڑھ لیا ہوتا۔

احمد وان ڈینفر (پ: ۱۹۴۹ء، جرمنی) نے اجتماعی اور اسلامی نقطہ نظر سے علم الانسان کی کی تعلیم مینز (MAINZ) یونیورسٹی میں حاصل کی۔ ۱۹۷۸ء میں وہ بہ حیثیت رفیقِ تحقیق "اسلامی فاؤنڈیشن" میں شریک ہوئے۔ انہوں نے "ایک دن نبی اکرمؐ کے ساتھ" (A DAY WITH THE PROPHET)۔ امام النووی کی اربعین کا جرمن ترجمہ اور "بچوں کے لیے اسلام"، تین کتابیں لکھی ہیں۔ تازہ کتاب ہمارے سامنے ہے۔

اس کتاب میں نہایت خوبصورتی سے کارِ تحقیق کی مبادیات اور اصطلاحات، مختلف طرز اور سطح کی تحریروں کے لیے خاکے، اسلامی موضوعات پر تحقیق کے لیے بنیادی لوازم ——— کام کی نقشہ بندی اور مطالعہ کا پُرافادیت طریقہ، نیز نمونے کے طور پر چند تفویضی موضوعات ——— (ASSIGNMENTS) پر کام کرنے کے خطوط بڑی خوبصورتی سے پیش کیے گئے ہیں۔ آخر میں اسلام

---

[1] اتنی ریسرچ میں نہیں کر سکا کہ اس کا صحیح تلفظ کیا ہونا چاہیے (ن۔ ص)

کے متعلق انگریزی میں قابلِ حصول کتب اور انسائیکلوپیڈیائی ماخذ کی فہرستیں درج کی ہیں۔

میرا خیال ہے کہ یہ کتاب میٹرک سے اوپر کے طلبہ کے کورسوں میں شامل کرنی چاہیے یا کم سے کم ایسے پوسٹ گریجوایٹ طلبہ کے لیے اس کا مطالعہ لازم کردینا چاہیے، جنھیں تحقیقی کام کرنا ہو۔

INNER DEMENSIONS OF ISLAMIC WORSHIP

مترجم (عربی سے انگریزی): مختر (HOLLAND)
ناشر: دی اسلامک فاؤنڈیشن ۲۲۳ - لندن روڈ، لائسٹر، یوکے۔

یہ کتاب بھی بہت ہی خوبصورت معیارِ طباعت کے ساتھ نظر افروز ہے۔ اس میں امام غزالی کی تالیف احیاء علوم الدین کے منتخب حصوں کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے انگریزی نام کا غیر لفظی ترجمہ "اسلامی عبادات کے لیے قلبی کیفیات" کیا جا سکتا ہے۔ فاؤنڈیشن کے سربراہ برادرم خرم جاہ مراد نے ایسا شاندار دیباچہ لکھا ہے کہ جی چاہتا ہے، تبصرے کے طور پر اسی کو نقل کر دیا جائے۔

امام غزالی (پ ۴۵۰، ف ۵۰۵ ھ) مشہد ایران کے نزدیک طوس میں پیدا ہوئے، سلجوقیوں کے ابتدائی دور میں نیشاپور میں دینیات اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ۳۰ سال سے کم عمر میں بغداد کے مدرسہ نظامیہ کے پروفیسر مقرر ہوئے اور خوب شہرت پائی۔ بغداد میں نیشاپور کے مدرسۂ نظامیہ میں لیکچر رہے۔ آخر میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تصنیف میں مشغول ہو گئے۔

امام غزالی کا دور فقہا کے غلبے کا دور تھا۔ اور اسلام کے ظاہری قانونی ڈھانچے پر توجہات مرتکز تھیں۔ امام نے فکر و تدبر سے محسوس کیا کہ اسلام بیک وقت دو عناصر کا مجموعہ ہے۔ ایک ظاہری عبادات، قوانین، ادارے اور اطوار، دوسرے ان کے اندر کام کرنے والی وہ قلبی کیفیات جن کو محبت خدا، تقوی اور اخلاص سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امام دیکھ رہے تھے کہ یہ اندرونی روح غائب ہوتی جا رہی ہے، اس لیے وہ اس کے احیاء کی طرف متوجہ ہوئے۔

مگر امام غزالی نے ظاہری اعمال اور باطنی یا قلبی کیفیات کو دو الگ الگ خانوں میں نہیں بانٹا، بلکہ اُن کو جمع کیا۔ ان کے نقطۂ نظر سے ایک طرف تو شریعت کے مقرر کردہ اعمالِ عبادات و معاملات اپنی جگہ لازم ہیں اور اُن سے آزاد ہو کر نہ اسلام رہتا ہے، نہ خدارسی ممکن ہے۔ دوسری طرف وہ قرآن و حدیث کے واضح دلائل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ کسی بھی عمل کی ظاہری شکل کتنی ہی خوشنما کیوں نہ ہو۔ جب تک اس کے اندر حُبِ الٰہی اور اخلاص لِلّٰہ اور تقویٰ اللہ کی رُوح کارفرما نہ ہوگی قیامت میں عنداللہ کوئی وزن نہ پائے گا۔ (اِلّا من اتی اللہ بقلبٍ سلیم)

صوفیا کی وہ قسم بالکل الگ ہے جو اسلام کے قانون (فقہ) کو ترک کرتی ہے، اور عبادات و اعمال کی ظاہری شکلوں کو غیر ضروری قرار دیتی ہے۔ ایسے صوفیاء نے شریعت کے بالمقابل طریقت کو ایک جداگانہ ادارے کی حیثیت سے اختیار کیا۔ انہوں نے تو بات کو یہاں تک پہنچا دیا کہ ہمارا مقصد اُس وقت تک حاصل نہ ہو گا جب کہ دُنیا کی ہر مسجد کو ڈھا نہ دیا جائے اور حقیقی مسلمان اُس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسلام اور کفر کی تمیز کو مٹا نہ دیا جائے۔

آج کل دین سے روگردانی کرنے والے دانشوروں، خصوصاً اشتراکی ادیبوں اور شاعروں نے خاتمۂ اسلام کے مقصد کے لیے متذکرہ طرزِ تصوّف کو پسند کر لیا ہے اور وہ اپنی پسند کے صوفیا کے ہاں سے خاص خاص فلسفیانہ اقوال اخذ کر کے ان کو اُبھار رہے ہیں۔

امام غزالی کا اصل کارنامہ یہی ہے کہ انہوں نے شریعت کے تمام ظاہری نظامِ اعمال کو قائم رکھ کر اُس کے اندر صحیح قلبی و روحانی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور فقہ اور تصوّف کو یک جان کیا ہے۔

باقی اہلِ ذوق اصل کتاب لے کر خود پڑھیں جس کی انگریزی زبان بہت دلکش ہے۔

مولانا مودودیؒ اپنی اور دوسروں کی نظروں میں

مرتب: جناب محمد یوسف بھٹہ۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی لاہور تقسیم کار: مکتبہ المنار منصورہ۔ لاہور ۱۸۔ صفحات: ۴۰۵ سفید کاغذ، اچھی طباعت، خوبصورت ٹائیٹل۔ قیمت -/۴۵ روپے

تیس سال سے زیادہ مدت ہوئی کہ اس کتاب کا ایک ایڈیشن نکلا تھا۔ پھر اس کے ناشر غائب ہو گئے اور مؤلف گوشۂ گمنامی میں پڑے رہے۔ اب ادارہ معارف اسلامی نے جناب مؤلف کو کراچی سے ڈھونڈھ نکالا اور ان کی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کا انتظام کیا اس کتاب کے متعلق مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے مندرجات مولانا رحمہ اللہ کی سوانح اور تحریکی سرگرمیوں کے متعلق بہت ہی اولین مآخذ میں سے ہیں۔ اور کتاب مندرجات کے لحاظ سے متنوع ہے کیونکہ کئی لکھنے والوں کا حصہ اس میں شامل ہے۔

المودودیؒ مؤلف: راقم الحروف نعیم صدیقی - ناشر: ادارۂ معارف اسلامی لاہور۔ تقسیم کار: مکتبہ المنار منصورہ لاہور نمبر ۱۸ - صفحات: ۴۰۰ - سفید کاغذ، اچھی طباعت، خوبصورت ٹائیٹل - قیمت: ۳۵/- روپے

اپنی کتاب پر میں تبصرہ نگاری تو کر نہیں کر سکتا - اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ ۱۹۶۳ء میں میری ایک کتاب مولانا مودودیؒ ــــ ایک تعارف" شائع ہوئی تھی جو تین مقالات پر مشتمل تھی۔ اب میں نے اس میں بعد کے بہت سے متعلقہ مضامین کو شامل کر کے " المودودیؒ" کے نام سے نئی ترتیب دی ہے۔ سو یہ آپ کے سامنے ہے۔

قاضی اور سربراہِ مملکت از جناب مفتی غلام سرور قادری - ناشر: مرکزی ادارہ اشاعتِ قرآن وسنت، ۱ین مارکیٹ گلبرگ - لاہور - قیمت: ۱۸/- روپے

اس کتاب میں اسلامی نقطۂ نظر سے قاضی اور اس کی صفات، اسلامی نظامِ عدالت وقضاء، اسلامی نظامِ خلافت وغیرہ پر اس پس منظر میں بحث کی گئی ہے کہ روزنامہ جنگ لاہور مورخہ ۲۳، ۲۴ ستمبر ۱۹۸۳ء میں سید مسعود زاہدی ایڈووکیٹ اور ۱۲، ۱۴، ۱۸ نومبر میں جسٹس قدیر الدین احمد (ریٹائرڈ) کے جو خیالات نظریۂ ضرورت کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں ان میں اسلام، اسلامی نظامِ عدالت وقضا اور اسلامی نظام سیاست وخلافت کے سلسلے میں ایسے حیرت انگیز کلمات کہے گئے ہیں کہ اُن کو پڑھ کر اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ لکھے پڑھے مسلمانوں کے خیالات ہیں،

حتیٰ کہ تاریخی حقائق تک کو مسخ کیا گیا ہے۔ ان حضرات کو یہ تک یاد نہیں کہ اسلامی نظام فقہ و قضا خود اس برصغیر میں انگریزی تسلط سے قبل جاری رہ چکا ہے۔ قادری صاحب نے ان محترم اہل فکر و نظر کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کے لیے یہ کتاب لکھی ہے۔ گو نفس موضوع کے لحاظ سے یہ ایک جامع اور صحیح طور پر مرتب کتاب نہیں ہے لیکن متذکرہ اہلِ فکر و نظر کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کے لیے مفید ہے۔ جسٹس جاوید اقبال صاحب کے تو علم میں یہ حقیقت ہونی چاہیے کہ اسلامی فقہ کا ایک اصول ہے کہ الضرورۃ تبیح المحظورات۔ پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں قانونِ ضرورت کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

مؤلف نے قرونِ اولیٰ کے نامور قاضیوں اور ائمہ فقہا کے ان کارناموں کا ذکر بھی کیا ہے جنہوں نے حکومتِ وقت اور اہم ترین افراد کے منشا کے بالکل خلاف جرأت سے فیصلے دیئے ہیں۔ اور سرکاری شخصیتوں کی شہادت کو مسترد کیا ہے۔

اس کتاب کو لکھتے ہوئے فاضل مؤلف کو خوب محسوس ہو گیا ہو گا کہ ہم مسلمانوں کو اصل معرکہ کیا درپیش ہے اور بالعموم ہماری قوتیں باہمی نزاعات میں کس طرح ضائع ہو رہی ہیں۔

اسلام میں جرم و سزا مؤلف: ڈاکٹر عبدالعزیز عامر۔ مترجم (عربی سے اردو) سید معروف علی شاہ۔ باہتمام ادارہ معارف اسلامی کراچی ۱۴۳/C ۔۔۔ ۱۰ فیڈرل بی ایریا کراچی ۳۸

ناشر: البدر پبلی کیشنز۔ ۲۳ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ صفحات: ۴۰۰

قیمت: ۳۲/- روپے

یہ ترجمہ ہے "التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیۃ" کا۔ سزائے جرائم کے اسلامی قوانین کے متعلق یہ ایک اچھی علمی اور عام فہم کتاب ہے۔ عربی میں اسلامی موضوعات پر لکھنے کے لیے ایک اچھا معیارِ مطالعہ و تحقیق قائم ہے۔ اس لحاظ سے فی نفسہٖ کتاب خاصی مستند ہے۔ پھر یہ کہ مترجم نے بھی بہت اچھا ترجمہ کیا ہے۔ ان دنوں جب کہ اسلامی قوانین اور حدود و تعزیرات وغیرہ کی بحثیں ہمارے ہاں درپیش ہیں اور متعدد ادارات اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ اہل ذوق کے لیے باعثِ افادیت ہو گا۔

کسان بورڈ پاکستان رپورٹ مرتبہ محمد اکرم قریشی جنرل سیکرٹری کسان بورڈ پاکستان
ناشر: شعبۂ نشر و اشاعت، کسان بورڈ، پاکستان، منصورہ۔ لاہور۔ اچھے کاغذ پر اچھی طباعت اور بامقصد سرورق۔

اس خوبصورت بڑے پمفلٹ میں کسان بورڈ کا تعارف کرایا گیا ہے کہ یہ تنظیم کس طرح کام کر رہی ہے۔ اس کے مرکزی اور علاقائی عہدہ داروں کا تعارف، اس کا پروگرام، ترقی زراعت کے لیے اس کی تجاویز اور مشورے، کسانوں کی رہنمائی، اس کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی مختلف کانفرنسیں اور اجلاس، اراضی اور اس کی ملکیتوں، آبپاشی اور پیداواری صلاحیت کے متعلق اعداد و شمار، اس شعبے کے متعلق لٹریچر جس میں کسانوں کے اہم مسائل کو اُٹھایا گیا ہے، وغیرہ اُمور اس میں تصاویر کے ساتھ درج ہیں۔

شہدائے اُحد از مولانا جلیل رحمانی۔ ناشر: مکتبہ نذیریہ، علامہ اقبال ٹاؤن، چناب بلاک۔ لاہور۔ قیمت: ۶/۰۰ روپے

اس کتاب میں معرکۂ احد میں شہید ہونے والے خدا پرست پیروانِ محمدؐ کے حالات درج کیے گئے ہیں، جن کی تعداد ۷۰ ہے۔ قربانی دینے والی یہی ہستیاں ہیں جن کی برکت سے آج ہم اسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہیں۔ غزوۂ احد کے واقعات اپنی جگہ بڑی خصوصیت رکھتے ہیں اور اُن سے بڑے مفید اسباق اخذ ہوتے ہیں۔ شہدائے احد کے پورے سوانحی نقشے شاملِ کتاب ہیں۔ اسلام کے خلاف دشمنانِ اسلام کی سرگرمیوں کا بھی پورا منظر سامنے آجاتا ہے۔ آج کل کے انحراف پسند رجحانات سے بھری ہوئی فضا میں اس قسم کی کتابوں کو پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان اور نیک انسان بنانے کے خواہش مند نوجوان اور دیگر عوام و خواص بہت فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

اطمینانِ قلب از جناب مشتاق احمد اصلاحی، مدیر اخبار "رفاقت" اصلاحی منزل، کچہری بازار، سرگودھا۔ ناشر: مکتبہ اردو ڈائجسٹ، سمن آباد، لاہور۔
مؤلف کے پتے پر بھی مل سکتی ہے۔ قیمت: ۲۰/۰۰ روپے

فاضل مولف نے اپنے وسیع مطالعہ کے پس منظر میں ان وجوہ کا تجزیہ کیا ہے جو انسان کو اطمینانِ قلب سے محروم رکھنے کا باعث ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں نفسیاتی کیفیات، مروجہ لادام اسلامی عقائد و اقدار میں رخنہ اندازی کرنے والے اسباب کی نشاندہی کر کے اصلاحی صاحب نے یہ دکھایا ہے کہ کیا کیا ذہنی خرابیاں کس کس طرح پیدا ہوتی ہیں اور ان کا ازالہ کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس طریقے کی نشاندہی انہوں اسلامی نقطۂ نظر سے کی ہے۔

خاص بات یہ ہے کہ اس کتاب پر حال ہی میں مؤلف کو انعام ملا ہے۔

آسام کا قتل عام | مصنف کا نام درج نہیں۔ ناشر: شعبۂ نشر و اشاعت کل ہند مجلس تعمیرِ ملت، مدینہ مینشن، نارائن گوڑہ، حیدرآباد ۵۰۰۰۲۹ آندھرا پردیش۔ انڈیا۔ قیمت: ۵/-

آسام میں گذشتہ سال مسلمانوں کا جو ہلاکو خانی طرز کا قتلِ عام ہوا تھا، اس مختصر کتاب میں اس کی روداد ہے۔ اس سلسلے میں کل ہند مجلسِ تعمیرِ ملت کی رپورٹ اور اس کے صدر کا خط مسز اندرا گاندھی کے نام اہم ہے۔ زیادہ تر یہ حالات ہمارے ہاں کے اخبارات میں آچکے ہیں۔ البتہ اس کتاب میں دردناک مناظر کی تصاویر کچھ زیادہ ہیں۔

قرآن کا تصورِ تعلیم | از جناب پروفیسر سید محمد سلیم۔ ناشر: ادارۂ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ پاکستان۔ ۸۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور۔ صفحات: ۳۲۔ رنگین ٹائیٹل کے ساتھ قیمت: ۳/- روپے۔

مؤلف کو علمی کاموں، خصوصاً تعلیمی امور پر تحقیق کرنے میں خاص مقام حاصل ہے۔ اس پمفلٹ میں دکھایا گیا ہے کہ قرآن سے نظامِ تعلیم کے لیے کیا رہنمائی ملتی ہے۔

تفہیم القرآن

جلد ششم

جو کہ ایک عرصے سے ختم ہو چکی تھی۔ اب دوبارہ چھپ چکی ہے۔ قارئین کرام اپنے آرڈر پیشگی بک کرا سکتے ہیں۔

ادارہ

ترجمان القرآن لمیٹڈ

دربار مارکیٹ (میلارام) لاہور

عازمین حج کے لیے زادِ سفر کا اہتمام

مشاہداتِ حرمین

سید اسعد گیلانی

مقدس مقامات کا تعارف اور تاریخی پس منظر
ایمان افروز تفصیلات اور حیات آموز تعلیمات
جذبہ حج کو ابھار کر عروج پر لانے کا اہتمام
بیت اللہ شریف کے ۲۲ مقامات اور مدینہ منورہ کے ۲۲ مقامات کا تعارف
مناسک حج کی تمام ضروری تعلیمات و تفصیلات کا خلاصہ اور بھرپور
یہ کتاب حاجیوں کے لیے سب سے زیادہ قیمتی

سرمایہ
اثاثہ
تحفہ اور
زاد راہ ہے

اس کے بغیر آپ کا سامانِ سفر نامکمل رہے گا

ضخامت - ۲۴۰ صفحات

سائز ۱۸ × ۲۲ / ۸ قیمت